ریاست جموں وکشمیر پر بھارتی قبضہ، سازشیں، حقائق اور کردار

راجہ محمد سجاد خان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اگست 2017

کتاب:	ریاست جموں وکشمیر پر بھارتی قبضہ :سازشیں، حقائق اور کردار
مصنف:	راجہ سجاد لطیف خان
قیمت:	120/- روپے
اشاعت:	دوم
تعداد:	ایک ہزار

ترتیب

01	پیش لفظ
02	میاں گلاب سنگھ
03	تقسیم برصغیر کے بعد مہاراجہ کی قانونی حثیت
04	معاہدہ قائمہ اور معاہدہ الحاق کا جائزہ
05	معاہدہ قائمہ کی خلاف ورزی کے الزامات اور حقائق
06	معاہدہ قائمہ کے بعد کشمیریوں کی مسلح جدوجہد کی وجوہات اور ضرورت
07	کشمیر پر قبضہ کی سازشیں اور کردار
08	انڈین نیشنل کانگرس کا کردار
09	مہاراجہ ہری سنگھ کا کردار
10	لارڈ ماونٹ بیٹن اور ریڈ کلف کا کردار
11	شیخ عبداللہ کا کردار
12	کیا قبائلیوں کی آمد کشمیر پر ہندوستانی قبضہ کی وجہ بنی؟
13	جموں میں مسلمانوں کی نسل کشی، مظالم اور سفاکی کی داستان
14	مسلمانان جموں کا قتل عام از جسٹس (ر) محمد یوسف صراف
15	ڈوگرہ عہد میں مسلمانوں کی مجموعی صورت حال
16	بیعنامہ امرتسر
17	معاہدہ قائمہ
	حوالہ جات

پیش لفظ

ریاست جموں وکشمیر پر بیش بہا کتب لکھی گئی ہیں اور آئے روز لکھی جا رہی ہیں۔تاریخ کی یہ ہمیشہ ستم ظریفی رہی کہ ہر دور میں لکھنے والوں نے اپنی سوچ کے مطابق ہی تاریخ کو ڈھالنے کی کوشش کی۔ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ سے بھی یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔اپنی سوچ اور فکر کا اظہار ہر شخص کا بنیادی حق ہے لیکن کرایہ کی سوچ کو فروغ دینا کسی طرح بھی انصاف نہیں۔کشمیر کے مسلمانوں کی نہ صرف اسلام سے وابستگی تھی بلکہ اسلام کے نظریہ حیات کو ہی وہ اپناتے تھے۔پاکستان کے قیام سے قبل ریاست جموں وکشمیر کے مسلمانوں کا پنجاب اور خیبر پختونخواہ کے مسلمانوں سے مذہبی،نظریاتی،فکری اور ذاتی تعلق رہا۔ریاست جموں وکشمیر سے مغل،افغان،سکھ اور ڈوگرہ دورِ حکومت میں ظلم وستم اور قدرتی آفات کی وجہ سے لوگ ہجرت کر کے موجودہ پاکستان کے مختلف حصوں میں ہجرت کر کے آباد ہوتے رہے۔14 اگست 1947 کو جب]پاکستان قائم ہوا تو اس کے قیام کی خوشی پورے کشمیر میں منائی گئی۔آج بھی بھارت کی سنگینوں کے سائے میں نہ صرف پاکستان کے جھنڈے لہرائے جاتے ہیں بلکہ پاکستان زندہ باد اور کشمیر بنے گا پاکستان کے نعرے بلند کیے جاتے ہیں۔

تعجب کی بات ہے ڈوگرہ دور حکومت کے ظلم وستم کی داستانیں تمام تاریخی کتابوں میں موجود ہونے کے باوجود کچھ لوگ گلاب سنگھ کو اپنا ہیرو مانتے ہیں جس نے زندہ لوگوں کی کھالیں کھنچوائیں۔کشمیر میں ایسے لوگ جو ہندوستان اور ڈوگرہ خاندان کی وکالت کرتے ہیں،کا نوجوان نسل کو محاسبہ کرنا چاہیے۔

زیر نظر کتاب میں زیادہ تر تاریخی حوالہ جات ان مصنفین کے دیئے گئے ہیں جو بین الاقوامی شہرت کے حامل ہونے کی وجہ سے دنیا بھر میں پڑھے جاتے ہیں۔حقائق سے پردہ چاک کرنے کی کوشش ہے۔آپ کی آراء اور راہنمائی درکار رہے گی۔

راجہ سجاد لطیف خان

مظفر آباد

0300-5427775

ریاست جموں وکشمیر تقسیم برصغیر سے قبل برصغیر میں دیگر لگ بھگ 562 ریاستوں کی طرح ایک شاہی ریاست تھی ۔تقسیم برصغیر کے وقت ریاست کا حکمران مہاراجہ ہری سنگھ تھا جو ڈوگرہ خاندان کا وارث تھا۔ معاہدہ امرتسر کے تحت گلاب سنگھ نے انگریزوں سے ڈوگرہ ریاست حاصل کی تھی ۔ڈوگرہ دور حکومت میں مسلمانوں پر مظالم کی ایک طویل فہرست ہے۔تقسیم برصغیر کے وقت مسئلہ کشمیر پیدا ہوا اور آج تک اس کا حل نہیں ہو سکا۔مختلف دانشوروں، محققین اور تاریخ دانوں نے اس موضوع پر لکھا ہے کچھ لوگوں نے تاریخی حقائق کو نہ صرف توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے بلکہ 1947ء سے پہلے کی قربانیوں کو بغاوت کا رنگ دے کر شہداء کے ورثاء اور کشمیری قوم کی تاریخی جدوجہد کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔زیر نظر کتابچہ تاریخ کے چند اہم حقائق پر مشتمل ہے۔

میاں گلاب سنگھ

گلاب سنگھ جموں کا رہنے والا تھا اس کے والد کا نام کشور سنگھ تھا۔اسکے بھائی دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ تھے۔گلاب سنگھ کا والد سپاہی تھا۔گلاب سنگھ خوبصورت، بہادر اور ذہین تھا اس نے اپنی ملازمت کا آغاز قلعہ دار منگلا کے پاس تین روپے ماہوار پر کیا۔اور بعد میں سلطان بھمبر کی فوج میں بھرتی ہوا۔1810-11 میں وہ رنجیت سنگھ کے دربار میں بطور ملازم بھرتی ہوا[1] ۔بعد میں اس کے دو بھائی بھی رنجیت سنگھ کے پاس ملازم ہو گئے ۔رنجیت سنگھ خوبصورتی کا بے حد پرستار تھا کچھ ان بھائیوں کی خوبصورتی اور کچھ ان کی ذہانت کی وجہ سے ان پر مہربان تھا۔

معاہدہ امرتسر اور اس کی حیثیت

معاہدہ امرتسر 1846ء میں سرکار انگلشیہ اور گلاب سنگھ کے درمیان ہوا۔گلاب سنگھ لاہور دربار میں اپنے اثر ورسوخ اور محلاتی سازشوں کے ذریعہ اس معاہدہ میں کامیاب ہوا۔ گلاب سنگھ اس معاہدہ کے تحت کشمیر کا حکمران بنا لیکن وہ اقتدار اعلیٰ نہیں رکھتا تھا۔اقتدار اعلیٰ انگریزوں کے پاس تھا اور معاہدہ امرتسر کے آرٹیکل 10 کے مطابق ''مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کی حاکمیت تسلیم کرتا ہے اور اس حاکمیت کی وجہ سے ٹوکن کے طور پر ہر سال برطانوی حکومت کو ایک گھوڑا، 12 بکریاں منظور شدہ نسل کے (06 مذکر، 06 مونث) اور کشمیری شال کے تین جوڑے پیش کرے گا''۔

معاہدہ امرتسر کی رو سے گلاب سنگھ اور اس کے مرد ورثاء کو تمام پہاڑی ملک اور ان سے منسلکہ دریائے سندھ کی مشرقی طرف اور دریائے راوی کے مغربی طرف کے علاقہ بشمول چمبہ اور لاہول کو چھوڑ کر آزاد ملکیت میں دیا گیا۔اس طرح معاہدہ امرتسر دنیا کی تاریخ میں انسانوں کی خرید وفروخت کا واحد معاہدہ ہے۔

گلاب سنگھ کے مختلف جاگیروں، ریاستوں اور علاقوں پر قبضے

چند لوگ گلاب سنگھ کی تعریف کرتے نہیں تھکتے اور اس کو ایک مسیحا کا روپ دیتے ہیں یا تو وہ تاریخی حقائق سے نابلد ہیں یا وہ جان بوجھ کر چشم پوشی کر رہے ہیں۔گلاب سنگھ کسی عوامی ریفرنڈم کے ذریعہ کشمیر کا حکمران نہیں بنا اور نہ ہی کشمیر کا وہ خاندانی وارث حکمران تھا اس نے محلاتی سازشوں، جبر،ظلم و بربریت اور طاقت کے بل بوتے پر قبضے کیے۔

جموں میں ڈوگرہ حکومت کا قیام

مہاراجہ رنجیت سنگھ جموں بطور اجارہ میاں گلاب سنگھ کو دینا چاہتا تھا۔جنوری 1820 میں گلاب سنگھ کے والد کشور سنگھ نے بصورت اجارہ جموں پر قبضہ حاصل کر لیا۔جون 1822 کو رنجیت سنگھ نے اپنے ہاتھ سے گلاب سنگھ کو جموں کی حکمرانی پر فائض کیا اور قشقہ راجگی اس کی پیشانی پر لگایا[3] ۔یہ گلاب سنگھ کی لاہور دربار کی خدمات اور رنجیت سنگھ کی ذاتی خدمات کا عوض تھا۔

کشتواڑ اور راجوری پر قبضہ

کشتواڑ میں خود مختار حکومت تھی 21-1820 میں گلاب سنگھ نے اس پر حملہ کر کے قبضہ حاصل کیا[4]۔بعد ازاں اس نے والئی راجوری راجہ اعز خان کو گرفتار کر کے راجوری پر قبضہ کیا۔

پونچھ پر قبضہ

پونچھ پر قبضہ کے لئے 1832 میں گلاب سنگھ نے حملہ کیا۔پونچھ میں سدھن، ملدیال اور دیگر اقوام نے ڈوگر فوج کا مقابلہ کیا۔ مجاہدین پونچھ مقابلہ کرتے رہے مگر جب پندرہ ہزار افراد شہید ہو گئے اور ڈوگروں کا ایک اور لشکر آن پہنچا اور گلاب سنگھ نے تمام مورچوں پر قبضہ کر لیا۔اس نے سب سے پہلے جنگی قیدیوں سدھن سرداروں سردار ملی خان اور سردار سبز علی خان سمیت ان کے پندرہ ساتھیوں کی کھالیں اتار کر ان میں بھوسہ بھر دیا۔بقول سر مائیکل سمتھ ''جب مجاہدین پونچھ سے تمام مورچے چھین لئے گئے اور سدھن سردار قید ہو گئے تو لوگ پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لینے لگے مگر گلاب سنگھ نے تعاقب کرا کے تمام نوجوان لڑکیوں کو گرفتار کیا اور چھ سو لڑکیوں کو ادھ ڈھک کے مقام پر ایک باڑ میں رکھا گیا بالکل اس طرح جیسے بکریوں کے ریوڑ کو رکھا جاتا ہے اور کئی دن تک ان مظلوم لڑکیوں کو مکئی کے کچے دانے کھلائے جاتے رہے''[5]۔گلاب سنگھ نے سردار شمس خان اور راجو لی خان کو قتل کر کے ان مظلوموں کے سر لوہے کے پنجروں میں بند کر کے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے درختوں پر ٹانگ دیئے۔

سر مائیکل سمتھ کے مطابق ''جب گلاب سنگھ کی فوج کے سپاہی چاروں طرف پھیل کر لوگوں کے مکانات جلانے لگے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے پورا علاقہ موت کی آغوش میں سو گیا ہے ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور غارت گری کا بازار گرم تھا۔کچھ دنوں بعد جب گلاب سنگھ گرفتار

شدہ نوجوان لڑکیوں کا قافلہ لے کر جموں کی طرف روانہ ہوا تو جموں پہنچنے تک 400 لڑکیاں جان بحق ہو چکی تھیں۔گلاب سنگھ نے ان میں سے 40 لڑکیاں اپنے محل میں داخل کیں اور باقی لڑکیوں کو دو دو تین تین روپے میں نیلام کر دیا گیا"[6]۔

وائین کے مطابق " گلاب سنگھ ذاتی طور پر خود پونچھ گیا۔اس نے بغاوت کو کچل دیا۔کچھ قیدیوں کی کھالیں اس کے سامنے ادھیڑی گئیں۔اس ظالمانہ فعل کے دوران ایک جلاد کچھ تذبذب کا شکار ہوا تو گلاب سنگھ نے اس کو گالیاں دیں اور طنزاً پوچھا کہ کیا قیدی اس کا باپ یا ماں ہے؟ اس کے بعد اس نے کچھ کھالوں میں بھوسہ بھرنے کا حکم دیا اور پھر ان بھوسہ بھری کھالوں کو لٹکا دیا اور ان کی گردنوں پر کٹا ہوا سرالٹا رکھوا دیا گیا۔اور ہاتھ معافی مانگنے کے انداز میں باندھ دیئے گئے تا کہ ہر راہ گذر کو عبرت ہو۔گلاب سنگھ نے اس خوفناک منظر کی طرف اپنے بیٹے کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ حکومت اس طرح کی جاتی ہے۔ادھا ڈھک کے مقام پر میں نے اپنی آنکھوں سے دو قلم کیے ہوئے سروں کو لوہے کے پنجروں میں رکھا ہوا دیکھا جو راہ گذر پر رکھے گئے تھے تا کہ ہر راہ رو کو سبق حاصل ہو۔"[7]

حیرانگی ہوتی ہے کہ آج ان شہدء کی سرزمین میں اور ان شہداء کی نسلوں میں سے کچھ لوگ گلاب سنگھ کو ہیرو قرار دے رہے ہیں۔ اگر گلاب سنگھ ہیرو تھا تو ان لوگوں کی قربانیوں کو کیا کہا جائے گا۔ایسے سفاک،ظالم اور درندہ صفت ڈوگرہ حکمرانوں کی تعریف و توصیف کرنے والے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ڈوگرہ خاندان کے ظلم کے پیروکار ہیں۔ یہ صرف چند ایک واقعات ہیں ظلم کی داستان اس سے بھی طویل ہے.

کرگل،لداخ،زنسکار اور پاڈر پر قبضہ

گلاب سنگھ نے اپنے وزیر زور آور سنگھ کے ذریعے 35-1833 کے دوران ان علاقوں پر حملے کر کے قبضہ حاصل کیا[8]۔

وادی کشمیر پر قبضہ

معاہدہ امرتسر کے بعد گلاب سنگھ کشمیر پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھا۔اس دوران کشمیر کا گورنر شیخ امام دین تھا۔جس کے اخلاق اور رویہ کی وجہ سے کشمیری اس پر اعتماد کرتے تھے۔جموں میں 1822ء سے گلاب سنگھ حکمران تھا اور کشمیری عوام گلاب سنگھ کی طرف سے پونچھ،کشتواڑ اور شمالی علاقوں میں ظلم و بربریت کی داستانیں سن چکے تھے۔اس وجہ سے کشمیری عوام نے ڈوگرہ فوج کا ساتھ نہ دیا۔

نومبر 1846ء میں گلاب سنگھ نے وادی کشمیر پر قبضہ کیلئے پہلے ایک لشکر رتنوں اور لکھن پت کو دے کر روانہ کیا۔لیکن کشمیر کے گورنر شیخ امام دین نے قبضہ نہ دیا اور ڈوگرہ فوج کو قلعہ ہری پربت میں نظر بند کر دیا۔مہاراجہ گلاب سنگھ کو جب اپنے لشکر کی اطلاع ملی تو اس نے برطانوی حکومت کو آگاہ کیا اور کرنل لارنس اور لیفٹینٹ ایڈوڈ کی سربراہی میں ایک لشکر اور ایک لشکر کی قیادت خود سنبھالتے ہوئے کشمیر پر حملہ آور ہوا۔اس طرح بغیر کسی شدید مقابلے کے کشمیر پر قبضہ کر لیا[9]۔

گلگت پر قبضہ

معاہدہ امرتسر کے مطابق گلگت گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت نہیں کیا گیا تھا۔ 1847 میں گلاب سنگھ نے وادی پر قبضہ کرنے کے بعد کرنل ناتھوشاہ کو گورنر گلگت مقرر کیا۔ ناتھوشاہ ڈوگرہ فوج کی قیادت کرتے ہوئے گلگت فتح کرنے کے لئے پہنچا۔ ہنزہ کے مقام پر ایک خونی معرکہ ہوا جس میں ناتھوشاہ قتل ہو گیا اور ڈوگرہ فوج کو شکست ہوئی۔ گوھرامان جو پنیال اور یاسین میں حکومت کرتا تھا نے ہنزہ اور دلدیل کے لوگوں کو بھی ساتھ ملا کر ڈوگرہ کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک فوج تیار کی۔ گلاب سنگھ نے ڈوگرہ فوجیں دوبارہ گلگت فتح کرنے کے لئے بھیجی اور انہوں ے بڑے نقصان کے بغیر قبضہ کر لیا۔ 1851ء میں چلاس کے مقامی سرداروں نے بغاوت کر دی اور گلگت کے سابق حکمران گوہرامان کی قیادت میں مقامی لوگوں نے ڈوگرہ فوجوں کو تہہ وتیغ کر دیا۔ گلگت کو ڈوگروں سے بالکل صاف کر کے گلگت پر حکومت قائم کر لی اور اس حکومت کی سرحد دریائے سندھ مقرر ہوئی۔

1860ء میں رنبیر سنگھ نے ایک بڑا لشکر گلگت پر فوج کشی کے لئے بھیجا اتفاق ایسا ہوا کہ فوج کے گلگت پہنچنے پر راجہ گوہرامان قضائے الہی سے وفات پا گیا۔ جس کی وجہ سے ڈوگرہ فوج نے آسانی سے گلگت پر قبضہ کر لیا۔ 1866 میں ڈوگرہ افواج نے واریل پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ڈوگرہ دور میں گلگت میں ان کے پاؤں جم نہیں سکے۔ 1888ء میں گلگت برٹش ایجنسی قائم کر دی گئی۔ 1893 میں ڈوگرہ افواج نے جنگ کے بعد پھر چیلاس پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ڈوگرہ دور پر حکومت میں ریاست جموں وکشمیر میں انسانیت سوز مظالم کی داستان رقم کی گئی[10]۔

تقسیم برصغیر کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کی حیثیت

03 جون 1947ء کو تقسیم برصغیر کے منصوبہ کا اعلان کیا گیا۔ تقسیم برصغیر کے وقت کشمیر ایک شاہی ریاست تھی۔ جس کا حکمران غیر مسلم تھا جبکہ 80 فیصد سے زائد آبادی مسلمان تھی۔ قانون آزادی ہند 1947ء کے مطابق 02 آزاد اور خودمختار ممالک پاکستان اور ہندوستان کے قیام کے بعد برطانوی حکومت کا شاہی ریاستوں پر اختیار ختم ہو جائے گا۔ قانون آزادی ہند میں شاہی ریاستوں کے بارے میں کہا گیا کہ مقرر شدہ دن 15 اگست 1947ء سے ہندوستانی ریاستوں پر برطانوی حکومت کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو جائے گا۔ اور اسی کے ساتھ جو معاہدے حکومت برطانیہ اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان تھے اس ایکٹ کے منظور ہونے کی تاریخ سے ختم ہو جائیں گے۔ وہ تمام فرائض اور وہ تمام ذمہ داریاں جو برطانوی حکومت اور ہندوستانی ریاستوں یا حکمرانوں پر تھیں ختم ہو جائیں گی اور تمام اختیار، حقوق یا عدالتی اختیار جو کہ برطانوی حکومت کو ہندوستانی ریاستوں پر کسی معاہدے اعزاز، رسم ورواج یا کسی بھی اور طریقے سے تھے ختم تصور ہوں گے[11]۔

ریاست جموں وکشمیر کے حکمران ڈوگرہ خاندان نے معاہدہ امرتسر کے تحت حکومت برطانیہ سے ریاست جموں وکشمیر لی تھی۔ قانون آزادی ہند کے بعد جب تمام معاہدات ختم ہو گئے تو مہاراجہ ہری سنگھ بھی ریاست جموں وکشمیر پر حق حکمرانی قانونی طور پر کھو چکا تھا۔ اس طرح 15 اگست 1947ء کے بعد مہاراجہ کے کسی معاہدہ یا کسی بھی احکام کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی۔

معاہدہ قائمہ اور معاہدہ الحاق کا جائزہ

مہاراجہ ہری سنگھ نے 12 اگست 1947ء کو حکومت پاکستان کے ساتھ معاہدہ قائمہ کے لئے پیش کش کی اور 15 اگست 1947 کو حکومت پاکستان نے منظور کیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے حکومت ہندوستان کو بھی معاہدہ قائمہ کی پیش کش کی لیکن ہندوستان نے اس پیش کش کا جواب نہ دیا۔ سری نگر میں ڈاک خانہ اور دیگر عمارات پر پاکستانی پرچم لہرا دیا گیا۔ 12 اگست کو مہاراجہ معاہدہ کا قانونی اختیار رکھتا تھا۔ لیکن ہندوستان نے جو معاہدہ الحاق ہندوستان 27 اکتوبر کو بنیاد بنا کر کشمیر پر قبضہ کیا۔ نہ وہ معاہدہ ہندوستان کے قبضہ سے قبل ہوا اور نہ ہی 27 اکتوبر کو قانونی یا وارثتی طور پر مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کا حکمران تھا۔ اس معاہدہ کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ معاہدہ الحاق ہندوستان کے بارے میں جو ریسرچ کی گئی اس کے مطابق معاہدہ فرضی تھا اور 27 اکتوبر کو ہندوستانی افواج کے کشمیر میں داخل ہونے سے قبل ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ Stanley Wolpert جو یونیوسٹی آف کیلفورنیا لانس اینجلس میں ہندوستانی تاریخ کے پروفیسر ہیں نے جواہر لعل نہرو پر کتاب "Nehru: A Tryst with Destiny" لکھی جس کے صفحہ 17-416 میں ہے کہ وی پی مینن سرینگر سے نئی دہلی 26 اکتوبر کی صبح معاہدہ الحاق پر دستخط حاصل کیے بغیر آیا۔ جب 27 اکتوبر کی صبح ہندوستانی افواج نے کشمیر میں اترنا شروع کیا اس کے بعد وی پی مینن اور مہاجن جموں گئے اور مہاراجہ سے دستخط حاصل کیے۔ معاہدہ قائمہ میں مہاراجہ کی حکومت نے وہ تمام معاملات جو برطانوی ہندوستانی حکومت کو تھے حکومت پاکستان کو سپرد کرنے کی پیش کش کی جو حکومت پاکستان نے قبول کر لی۔ معاہدہ قائمہ کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں کسی بھی ملک کی طرف سے مداخلت پاکستان کے معاملات میں مداخلت تھی۔

معاہدہ قائمہ کی خلاف ورزی کے الزامات اور حقیقت

مہاراجہ کی حکومت نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت پاکستان پر الزام عائد کرنا شروع کر دیا کہ وہ ضروری اشیاء مثلاً پٹرول، نمک اور مٹی کا تیل وغیرہ جو کشمیر آ رہا تھا کی فراہمی روک رہا ہے۔ مسٹر محمد علی کے مطابق "مسٹر جناح نے گورنر جنرل پاکستان کے طور پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ستمبر کے وسط میں تجویز پیش کی کہ وہ ریاستی حکام سے کئی حل طلب معاملات طے کرنے کے لئے کشمیر کا دورہ کرنا چاہتے ہیں لیکن ماؤنٹ بیٹن اس پر راضی نہ ہوا۔"[12]

جہاں تک سپلائی کا تعلق تھا تو اس کی فراہمی کی تعطل کی کئی وجوہات تھی جن میں سے ایک وجہ موسم کی وجہ سے سڑکوں کا بند ہونا، دوسری وجہ

ریاست کے کئی علاقوں میں مسلمانوں کا بڑی تعداد میں قتل ہونا اوران کا پاکستان کی طرف ہجرت کرنا جس کی وجہ سے پاکستانی ڈرائیورعدم تحفظ کا شکار تھے اور وہ کشمیر کی طرف سفر کرنے میں اپنی زندگی اورٹرانسپورٹ کے لئے خطرہ محسوس کرتے تھے۔

پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خان نے پاکستان اور کشمیر کے نمائندگان کے درمیان ان معاملات کے حل کے لئے اجلاس کی پیش کش کی جس کو ریاستی وزیراعظم نے مصروفیات کو بہانہ بنا کر مسترد کر دیا۔حتیٰ کہ کرنل اے ایس بی شاہ جو کہ اس وقت حکومت پاکستان میں جائنٹ سیکرٹری تھے کو لیاقت علی خان نے سرینگر بھیجا کہ وہ کشمیری حکام سے رابطہ کر کے معاملات کو حل کریں لیکن کشمیر کے وزیراعظم نے ملنے سے انکار کر دیا۔15 اکتوبر 1947ء کو مہرچند مہاجن نے جب کشمیر کے وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا تو اس نے پاکستانی وزیراعظم کو ایک ٹیلی گرام ارسال کیا جس میں الزام لگایا گیا کہ پاکستانی مداخلت کار پونچھ میں مداخلت کر رہے ہیں اور انکوائری کا مطالبہ کیا جس پر پاکستانی حکومت نے فوری طور پر انکوائری سے اتفاق کیا لیکن مہاجن نے خاموشی اختیار کر لی۔18 اکتوبر 1947ء کو مہاجن نے ایک اور ٹیلی گرام گورنر جنرل پاکستان کو ارسال کیا جس میں دھمکی دی گئی کہ وہ بیرونی فوجی امداد حاصل کریں گے[13]۔

قائداعظم محمد علی جناح نے بطور گورنر جنرل پاکستان 20 اکتوبر 1947ء کو بھرپور احتجاج کی صورت میں بذیل جواب دیا۔

''۔۔۔بیرونی امداد کی دھمکی واضح طور پر ظاہر کرتی ہے کہ آپ کی حکومت ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کیلئے موقع کی تلاش میں ہے اور ہندوستان کی مداخلت اور امداد کو آپ تحفظ دینا چاہتے ہیں۔ یہ پالیسی آپ کے عوام میں ایک بھرپور خوف اور ناراضگی پیدا کرے گی جس میں 85 فیصد مسلمان ہیں۔ میری حکومت کی طرف سے آپ کو تجویز کیے جانے والا اجلاس اب ایک فوری ضرورت ہے[14]۔

معاہدہ قائمہ کے بعد کشمیریوں کی مسلح جدوجہد کی وجوہات اور ضرورت

مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک طرف پاکستان سے معاہدہ قائمہ کیا لیکن دوسری طرف وہ کانگرسی قائدین کے ساتھ مل کر الحاق ہندوستان کے لئے خفیہ سودا بازی کر رہا تھا۔ یہ معاہدہ ہری سنگھ نے نیک نیتی سے نہیں کیا تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ڈوگرہ افواج جن کی مدد راشٹر سیونک سنگھ (آر۔ایس۔ایس) اور سکھوں کے قاتل جتھے کر رہے تھے مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنایا۔ لارڈ برڈ نے اپنی کتاب میں اس کو یوں واضح کیا ہے۔

''جولائی 1947ء کے اختتام کے قریب مہاراجہ نے اپنی تمام مسلم رعایا کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو بھی اسلحہ ہے جمع کروائیں۔جس کے بعد مہاراجہ کی فوج میں موجود مسلمانوں کو غیر مسلح کرنے کا حکم جاری ہوا اس کے بعد وسط اگست میں راشٹریہ سیوک سنگ اور سکھ قاتل جتھے جموں میں داخل ہونا شروع ہو گئے''[15]۔ جوزف کاربل کے مطابق ''مہاراجہ تمام صورتحال سے واقف تھا اس نے مسلمان علاقوں میں سکھ اور ہندو افواج کی تعداد بڑھانی شروع کر دی۔ جولائی کے آخر میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ پولیس کے پاس اپنے ہتھیار جمع کروائیں

مسلمانوں نے اس صورتحال کے پیش نظر مغربی پونچھ کی پہاڑیوں میں اپنے آپ کو گوریلہ جنگ کے لئے منظم کرنا شروع کر دیا ان کی قیادت وہ فوجی کر رہے تھے جنہوں نے قبل ازیں برطانوی فوج میں خدمات سرانجام دی تھیں"[16]۔ مہاراجہ ہری سنگھ پر مذہبی جنونیت طاری تھی ایک طرف اس نے ریاستی مسلمانوں کو غیر مسلح کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف اس نے جموں وکشمیر کی فوج سے مسلمانوں کو نکالنے اور ان کو غیر مسلح کرنے کی پالیسی شروع کی۔ مہاراجہ نے جولائی 1947ء سے قبل ریاستی افواج سیکنڈ اور تھرڈ رائفلز میر پور میں، فورتھ بٹالین مظفرآباد میں جس کا ہیڈ کواٹر دومیل میں تھا اور اس کی ایک کمپنی کوہالہ اور ایک ٹیٹوال میں تعینات تھی، ففتھ اور سیونتھ بٹالین جموں میں، 6th بٹالین شمالی علاقہ جات میں، فرسٹ بٹالین پونچھ شہر میں 8th بٹالین راولاکوٹ میں 9th بٹالین پونچھ میں پنجاب کی سرحد کے ساتھ تعینات کی اس کے علاوہ سری نگر اور جموں میں بھی فوجیں جمع کیں۔

مارچ 1947ء میں جب تقسیم برصغیر کا اعلان ہوا تو اکالی دل نے سکھوں کے سربراہوں سے مل کر مسلمانوں کو قتل کرنے کا پروگرام ترتیب دیا اور ہزاروں سکھوں کو مسلح کر دیا گیا۔ جسٹس (ر) یوسف صراف کے مطابق ہزاروں غیر مسلم جن میں آر۔ایس۔ایس اور اکالی دل کے مسلح دستے شامل تھے سرحدی اضلاع سیالکوٹ، گوجرانوالہ، لاہور، گجرات، راولپنڈی، کیمبل پور، اور ہزارہ سے ریاست جموں وکشمیر میں داخل ہوئے اور ان میں سے اکثریت نے مظفرآباد، بارہ ہمولہ، جموں، کٹھوعہ، اودھم پور اور بھوٹ کے قصبوں اور مضافات میں اپنے مراکز قائم کیے۔ مہاراجہ کی حکومت نے ہر طرح کی ممکن سہولت مہیا کی اور ان کو رہائش، کھانا اور کپڑے بھی مہیا کر دیئے۔ وہ ہندو مسلم فساد کے لئے مختلف قصے اور افواہیں پھیلاتے۔ مقامی آر۔ایس۔ایس اور اکالی غنڈوں کا رویہ انتہائی جارحانہ تھا اور وہ مسلمانوں کے قتل عام کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اس سے قبل مہاراجہ ہری سنگھ نے جموں صوبہ کے سرحدی اضلاع کٹھوعہ، سانبہ، اودھم پور، ڈوڈہ، پونچھ، دیواوٹالہ اور بھمبر کا دورہ کیا۔ دورہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس دورہ میں مہاراجہ کے ہمراہ کوئی مسلمان آفیسر نہ تھا اس کے ہمراہ کرنل ہیرانند، لفٹینٹ کرنل دہیرک رام، ریٹائرڈ لیفٹینینٹ کرنل ٹھاکر کرتار سنگھ اور کرنل بلدیو سنگھ تھے مہاراجہ نے ہر جگہ ہندو رہنماؤں سے ملاقاتیں کی اور ان کو مزید اسلحہ دینے کی یقین دہانی کروائی اس نے ایک ہزار فیروز پوری رائفلز دیوابوٹالہ، 750 ریاسی میں اور 1000 اودھم پور میں تقسیم کی۔ 22 اپریل کو مہاراجہ نے راولاکوٹ کا دورہ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دورہ سے واپسی پر مہاراجہ نے کچھ نئی یونٹس بنائی۔۔۔۔۔۔ یہ تمام منصوبہ بندی مسلمان آفیسران سے پوشیدہ رکھی گی کرنل عدالت خان کو تبدیل کر کے اس کی جگہ کرنل ہیرانند کو کواٹر ماسٹر جنرل تعینات کیا گیا۔ ملیشیا کمپنیاں جن میں سابق فوجی اور انڈین نیشنل آرمی کے لوگ موجود تھے کرنل دھرک رام کی قیادت میں قائم کی گئیں جو کہ بعد ازاں آر۔ایس۔ایس کی مدد اور آپریشنل ڈیوٹی پر مامور میر پور، پونچھ اور مظفرآباد میں فوجیوں کو چھٹی پر بھیجنے کے لیے تھی۔ سکھوں کی ایک بڑی تعداد نلوچھی گردوارہ اور مظفرآباد میں مسلح رکھی گئی بھرتی کے لئے خصوصی ٹیمیں گورکھا پور اور کانگڑا بھیجی گئی۔ وزیر داخلہ گنگا رام اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

جموں مسلسل دورے کر کے ہندوؤں کو مسلح رہنے اور اگلے حکم کے انتظار کی ہدایت کرتے ۔ پی ڈبلیوڈی کو ہدایت کی گئی کہ نوشہرہ تھانہ اور بدال روڈ کا فوجیوں کی جلد نقل وحرکت کے لئے فوری تعمیر کرنے کی ہدایت کی گئی ۔ نوشہرہ کو کنٹونمنٹ اور میر پور، راجوری اور پونچھ میں گریژن قائم کئے گئے ۔ ان انتظامات کی تکمیل کے بعد مسلمانوں کو اہم عہدوں سے ہٹانے کے اقدامات کئے گئے ۔ گورنر کشمیر جو کہ مکمل طور پر سویلین عہدہ تھا میجر پریتم سنگھ کو دے دیا گیا انسپکٹر جنرل پولیس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا بریگیڈ یئر اورے چند کو جموں، مسٹر پاول کو سرینگر کنزر ویٹو جنگلات، کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ کو ریونیوسٹر اور میر پور، پونچھ اور راجوری کا انچارج مقرر کیا گیا۔ جموں صوبہ میں تحصیلدار ذوالفقار علی نعیم، مفتی رشید الدین، شمس الدین، اودھم پور، رام بن اور کشتواڑ سے جبکہ نائب تحصیلداران عبدالطیف، آرنس سے عبدالعظیم، اودھم پور سے محمد اسماعیل بھدرواہ اور شیخ نعمت اللہ ریاسی سے ہٹا دیئے گئے ۔ یہ تمام عمل 05 اکتوبر 1947ء سے قبل مکمل ہو گیا۔ ہندو سب انسپکٹر تقریباً تمام باڈر پولیس اسٹیشنوں میں تعینات کر دیئے گئے ۔۔۔۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور انسپکٹر جنرل پولیس نے ہندو آفیسران کو براہ راست ہدایت کی کہ جہاں کہیں بھی مسلمان آفیسران ہوں ان کو بائی پاس کر کے ہندو آفیسران سے براہ راست ہدایت لیں۔ مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے اور خفیہ اجلاس منعقد کرنے کے الزامات عائد کر کے ملازمت سے برطرف کیا جاتا رہا[17] ۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے دورہ راولاکوٹ سے واپسی پر پونچھ میں کئی اہم مقامات پر ڈوگرہ فوج کو تعینات کیا گیا۔ کہیں اہم مقامات جیسے باغ ،منگ، چڑیالہ، آزاد پتن، پلندری اور ہجیرہ میں ڈوگرہ فوج مسلسل گشت کرتی اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو تنگ کرتی مسلمانوں کو مفت مزدوری، انڈے، گھی، مرغ اور دیگر چیزیں مفت دینے پر مجبور کیا جاتا۔ مئی 1947 میں تحصیل باغ اور سدھنوتی میں دفعہ 144 نافذ کی گئی ۔ 30 مئی 1947ء کو دھمنی راولاکوٹ میں سردار محمد حسین خان کے گھر ڈوگرہ فوج نے جس کی مدد مقامی ہندو کر رہے تھے محاصرہ کیا ۔ آئے روز مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے مارے جاتے اور ان کو تنگ کیا جاتا۔ مسلمانوں سے اسلحہ لے کر ہندوؤں اور سکھوں میں تقسیم کیا جاتا۔ جون کے آخر میں غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان پر پونچھ میں داخلے پر پابندی لگا دی گئی ۔

تقسیم برصغیر سے قبل ہی حکمران ڈوگرہ خاندان کے ظلم وستم کے خلاف پوری ریاست میں ایک بے چینی اور اضطراب پایا جاتا تھا۔ ڈوگرہ فوج، آر۔ ایس ۔ ایس ، اکالی دل اور مقامی غیر مسلموں کی مسلم دشمن پالیسیوں اور اقدامات کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کیا۔ 22 جون 1947ء کو چوہدری حمید اللہ خان نے مولوی محمد اقبال خان کے گھر پوٹھی ملکوالاں میں ایک خفیہ میٹنگ کی جس کی صدارت سردار محمد شریف خان نے کی ۔ میٹنگ میں سردار محمد عبدالقیوم خان، سید نذیر حسین شاہ اور دیگر نے بھی شرکت کی ۔ اجلاس میں صورتحال کا جائزہ لے کر فیصلہ کیا گیا کہ سابق فوجیوں کو منظم کیا جائے۔ ڈوگرہ حکومت کے ظلم کا سب سے زیادہ شکار لوہاروں کا کاروبار ہو رہا تھا ان کی دوکانوں سے چاقو، چھریاں سب کچھ اٹھا کر لے جایا جاتا تھا۔ 26 مئی 1947ء کو محمد سلیمان ولد شرف الدین ساکنہ بنی پساری کو

ڈوگرہ فوجیوں نے اٹھا کر گولی ماردی یہ اس تحریک کی پہلی شہادت تھی۔11 اگست کو دفعہ 144 کے نفاذ کے خلاف راولاکوٹ میں ایک میٹنگ منعقد کی گئی جس میں سردار مختار خان اور دیگر لوگوں نے خطاب کیا۔اگلے دن باغ اور سدھنوتی میں سے کافی لوگوں کو جن میں سردار مختار خان ،لطیف خان، حبیب خان ،خان بہادر خان اور راولاکوٹ سے سید حسن شاہ ،محمد شیر ،محمد اکرم ،دوست محمد خان، محمد بہرام خان ،محمد یعقوب خان کو باغ سے اور سردار محمد شریف خان اور خواجہ غلام احمد کو پونچھ شہر سے گرفتار کرلیا گیا۔اس طرح تحریک کا آغاز ہوگیا اس دوران مختلف جگہوں پر جلسے، جلوس شروع ہوگئے اور ڈوگرہ حکومت نے طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کی۔

''اگست 1947 کے وسط تک مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو ریاستی فوج میں تھی کو برطرف کردیا گیا اور پولیس سے بھی نکال دیئے گئے ریاستی مسلمان جو پنجاب سے ملحقہ اضلاع میں تھے نے مزاحمتی تحریک شروع کردی۔روزانہ کی بنیاد پر پونچھ میں مسلمانوں کے قتل ،گرفتاریوں اور تشدد کی اطلاعات موصول ہوتی تھیں[18]''

کچھ لوگ تاریخی حقائق کو مسخ کرتے ہوئے آزاد کشمیر میں قبائلی مداخلت کو بھارتی قبضہ کی جوازیت بنا کر پیش کرتے ہیں جو نہ صرف غلط ہے بلکہ تاریخ مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

کشمیر پر قبضہ کی سازشیں اور کردار

کشمیر پر ہندوستانی قبضہ صرف ایک ہفتہ یا ایک دن کا عمل نہ تھا بلکہ کانگرس اور اس کے حمایتی انگریزوں کے خلاف جدوجہد شروع ہونے سے ہی کشمیر کو ہتھیانے کی سازشوں میں مصروف تھے اور جب ان کو یہ یقین ہوگیا کہ انگریز برصغیر سے چلے جائیں گے تو ان کی سازشوں میں مزید تیزی آگئی۔کانگرس کی سازشیں تو ایک طرف، لارڈ ماونٹ بیٹن اور ریڈکلف جو منصف تھے وہ بھی مجرم کے ساتھ مل گئے اور شیخ عبداللہ جیسے گھر کے باسی بھی ڈاکووں کے حصہ دار بن گئے۔غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی غداری کی وجہ سے 27 اکتوبر 1947 کو ہندوستان کشمیر کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔سکھ اور ڈوگرہ دور حکومت کے مظالم آج نئے انداز میں مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں پر ڈھائے جارہے ہیں۔

انڈین نیشنل کانگرس کا کردار

آل انڈیا نیشنل کانگرس اور اس کی ساری قیادت بالخصوص گاندھی، نہرو اور پٹیل کی برصغیر کی تقسیم کے وقت سے خواہش اور کوشش تھی کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ بن جائے۔انڈین نیشنل کانگریس کی طرف سے شیخ عبداللہ کی حمایت اور پشت پناہی بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔تقسیم برصغیر کے وقت جواہرلعل نہرو نے اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے باؤنڈری کمیشن کے ذریعے پٹھان کوٹ کے مسلم اکثریت علاقے تقسیم برصغیر کے اصولوں کے خلاف ہندوستان کے ساتھ شامل کروا کر کشمیر میں اپنی مداخلت کا راستہ ہموار کیا۔الیسٹر لیمب اپنی

کتاب Birth of Tragedy In Kashmir 1947 میں لکھتے ہیں کہ:

’’نہرو کی کشمیر میں جذباتی حد تک دلچسپی تھی۔ پٹیل ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کو انڈیا کے ساتھ رکھنے میں اس کی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے بہت زیادہ دلچسپی لیتا تھا چونکہ یہ وسطی ایشیاء تک ہندوستان کی رسائی مہیا کر سکتی تھی۔ ہندوستان کے نزدیک کشمیر کو حاصل کرنے سے پاکستان کی خودمختاری کو کسی حد تک محدود کر سکتے تھے۔۔۔۔۔19 ستمبر 1947 کو حکومت جموں وکشمیر نے حکومت ہندوستان سے لیفٹیننٹ کرنل کشمیر سنگھ کو اس وقت کشمیر کے وزیراعظم میجر جنرل جنک سنگھ کا بیٹا تھا اور بھارتی فوج میں ملازم تھا کو بطور فوجی مشیر بھیجنے کی درخواست کی جسکو وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ نے فوری طور پر قبول کر لیا کشمیر سنگھ نے آنے والے دنوں میں بھارت کی حمایت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ 28 ستمبر 1947 کو مہاراجہ ہری سنگھ کی درخواست پر پٹیل نے ایک سول ہوائی جہاز سرینگر سے دہلی چلانے کا اعلان کیا۔ یکم اکتوبر تک سری نگر ایئرپورٹ کو تمام وائرلیس اور فوجی ساز وسامان سے لیس کر دیا گیا۔ انڈین آرمی انجینئرز نے مادو پور، جموں سڑک اور پانتون پل (دریائے راوی پر کٹھوعہ سے رابطہ کے لئے) فوری تعمیر کیا اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں بھارتی حکومت نے پٹیالہ ریاستی فوج کے کچھ یونٹس جموں وکشمیر میں بھیج دیں۔ ان میں سے ایک بٹالین کو جموں میں رکھا گیا اور کچھ فوج سرینگر ایئرپورٹ کے اردگرد اور کچھ جہلم ویلی روڈ پر اوڑی بھیج دی گئی پٹیالہ فوج اٹھارہ اکتوبر تک ریاست میں تعینات ہو چکی تھی۔ پٹیالہ کے حکمران تقسیم برصغیر کے وقت بھی مسلمانوں کے قتل عام میں پیش پیش تھے۔ اکتوبر 1947 کے تیسرے ہفتے کے آغاز میں پٹیل اور وزیر دفاع بلدیو سنگھ نے بھارتی فوج کے پلوں کو تباہ کرنے والے ماہرین جہلم ویلی روڈ اور کشن گنگا روڈ پر بھیجنے کے لئے تیار کئے جن کی سربراہی شیوسرن لال جو کہ تقسیم برصغیر سے قبل ڈیرہ اسماعیل خان کا ڈپٹی کمشنر تھا بنایا گیا۔ اکتوبر کے آغاز میں ہی دوارکنٹھ جو نہرو کا قریبی ساتھی تھا سرینگر میں شیخ عبداللہ کے ساتھ پایا گیا جو اسکے ساتھ مل کر بھارتی افواج کی حمایت کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ اسی دوران میجر جنرل جنک سنگھ کی جگہ جسٹس مہر چند مہاجن جو کہ باؤنڈری کمیشن کا ممبر تھا اور ریاست جموں وکشمیر کا ہندوستان سے الحاق چاہتا تھا کو ریاست جموں وکشمیر کا وزیراعظم بنا دیا گیا۔19‘‘ ایلسٹر لیمب اسی کتاب کے صفحہ 73 میں لکھتا ہے کہ ہندوستان نے 15 اکتوبر سے کافی پہلے ریاست جموں وکشمیر کا ہندوستان سے الحاق کرنے کے لئے انتظامات شروع کر رکھے تھے۔ 27 ستمبر 1947 کو نہرو کی طرف سے پٹیل کو لکھے جانے والا خط اس کی ایک واضح شہادت ہے۔ نہرو نے پٹیل کو لکھا کہ ’’موسم سرما قریب آنیوالا ہے درہ بانہال جو جموں اور سرینگر کے درمیان لائف لائن ہے برف باری سے بند ہو جائے گی اور اگر مہاراجہ ہری سنگھ نے فوری طور پر ریاست کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ نہ کیا تو پاکستان پوری وادی بلتستان اور لداخ لے جائے گا۔ بھارت کو شیخ عبداللہ اور نیشنل کانگرنس کے تعاون سے فوری طور پر ریاست جموں وکشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کے اقدامات کرنے چاہیے۔

انڈین نیشنل کانگرنس کی نظر شاہی ریاستوں کے مستقبل کے تعین کے لئے شروع سے تھی۔ مارچ 1939 میں انڈین نیشنل کانگریس کا

سالانہ اجلاس تحریک پورہ میں منعقد ہوا جس میں صدر کانگریس کی دعوت پر شیخ عبداللہ نے شرکت کی۔ شیخ عبداللہ کے ساتھ بخشی غلام محمد ، پنڈت پریم ناتھ بزاز، پنڈت کیشپ بندھو، مولانا محمد سعید مسعودی بھی شریک ہوئے، پنڈت جواہر لعل نہرو کوہالہ کے راستے سے 30 مئی 1939 کو کشمیر آئے۔ کوہالہ سے سرینگر تک ان کا بھرپور استقبال کیا گیا۔ جون کے وسط تک وہ کشمیر میں رہے [20]۔ شیخ محمد عبداللہ کانگریس کے چرنوں میں بیٹھ چکے تھے اور کانگریس ان کے ذریعے الحاق ہندوستان کے لئے کوشش کر رہی تھی۔ کانگریس نے 1927 سے آل انڈیا اسٹیٹ پیپلز کانفرنس قائم کی اور 1941 سے نیشنل کانفرنس نے باضابطہ طور پر اس میں شمولیت اختیار کر لی۔ 1946 میں شیخ عبداللہ اس کے صدر بن گئے۔ 1946 میں شیخ عبداللہ نے کانگرس کی ''ہندوستان چھوڑ دو تحریک'' کی طرز پر ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک شروع کی۔ جواہر لعل نہرو اور گاندھی نے مہاراجہ ہری سنگھ کو الحاق بھارت کے لئے راضی کرنا شروع کر دیا تھا لیکن بقول سی داس گپتا ''مہاراجہ کو خوف تھا کہ اگر وہ بھارت سے الحاق کرے گا تو اس کو تمام اختیار اور حکومت نیشنل کانفرنس اور شیخ عبداللہ کو منتقل کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔۔۔۔وسط ستمبر 1947 میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان سے الحاق اس شرط پر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے اختیار شیخ عبداللہ کو منتقل کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا اور اس مقصد کے لئے اس نے نئے دیوان مہر چند مہاجن کو تقرر کیا [21]۔ نہرو اور پٹیل کی خواہش اور کوشش تھی کہ ریاست جموں وکشمیر کو فوری طور پر ہندوستان کے ساتھ شامل کر لیا جائے اور اس مقصد کے لئے وہ ایک طرف ہری سنگھ کو اعتماد دلا رہے تھے اور دوسری طرف شیخ عبداللہ کو مکمل حمایت کا یقین دلا رہے تھے۔ 27 ستمبر 1947 کو نہرو نے پٹیل کو خط میں کشمیر کے حوالہ سے اپنی خواہشات کا یوں اظہار کیا۔

''مہاراجہ کے لئے واحد راستہ ہے کہ وہ شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے دیگر رہنماؤں کو رہا کر دیں۔ ان کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھے، ان کا تعاون حاصل کرے اور ان کو یہ احساس دلائے کہ یہ سب ان کے لئے ہے اور اس کے ساتھ ہی ریاست کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کرے [22]''

پٹیل نے کوشش کی کہ مہاراجہ کے دل میں کشمیر چھوڑ دو تحریک کی وجہ سے شیخ عبداللہ کی مخالفت ہے اس کو کم کیا جائے اور مہاراجہ کو یقین دلا یا جائے کہ اس کے اختیار کو کسی بھی صورت کم نہیں کیا جائے گا پٹیل نے 3 جولائی 1947 کو مہاراجہ ہری سنگھ کو خط لکھا کہ ''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کانگریس صرف اور صرف آپ کی دشمن نہیں جیسا کہ آپ نے یقین کرنا شروع کر دیا ہے بلکہ کانگریس میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ کی ریاست کے حامی ہیں اور بطور جماعت کانگریس ہندوستان میں کسی بھی بادشاہ کے خلاف نہیں [23]''

02 اکتوبر 1947 کو پٹیل نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ وہ عام معافی کا اعلان کرے اور سیاسی قیدیوں کو رہا کر دے پٹیل کی تجویز پر مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کو رہا کر دیا اور مہاراجہ اور شیخ عبداللہ کے تعلقات خوشگوار ہو گئے۔ 07 اکتوبر 1947 کو پٹیل

نے وزیر دفاع بلدیو سنگھ کو خط لکھا کہ: ''مجھے امید ہے کہ ریاست کشمیر میں اسلحہ بھیجنے کے انتظامات کیے جا چکے ہوں گے اگر ضروری ہو تو ہم بذریعہ ہوائی جہاز بھی انتظام کر سکتے ہیں''۔ ''میرے خیال میں ہنگامی حالات میں عسکری تعاون ہماری دفاعی کونسل کی فوری توجہ چاہتا ہے۔ ہمارے پاس ضائع کرنے کا وقت نہیں''[24]۔

کرنل ڈبلیو۔ایف۔ویب (برطانوی ریذیڈنٹ ان کشمیر) کی جولائی 1946 کی یاداشتوں کے مطابق جواہر لعل نہرو نے 1946 سے برطانیہ کے نکل جانے کے بعد ریاست جموں وکشمیر کے حوالہ سے ایک پالیسی بنا رکھی تھی۔ جس کے مطابق شیخ عبداللہ کی قیادت میں پاکستان مخالف جذبات کو ریاست جموں وکشمیر میں فروغ دینا تھا[25]۔

مئی 1947 کے اوائل میں کانگریس کے صدر اچاریہ کرپلانی نے سرینگر میں مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کر کے اس کو کشمیر کے بھارت سے الحاق کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی۔ ماؤنٹ بیٹن کے دورہ کے فوری بعد ریاست فریدکوٹ، پٹیالہ، اور کپورتھلہ کے سکھ مہاراجوں نے بھی کشمیر کا دورہ کیا۔

مہاتما گاندھی اپنے مذہبی اثر ورسوخ کی بناء پر مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان سے الحاق کے لئے راضی کرنا چاہتا تھا۔ 30 جولائی 1947ء کو سرینگر کی طرف روانہ ہونے سے قبل برلہ ہاؤس میں گاندھی نے ایک میٹنگ کی جو اہر لعل اور سردار پٹیل نے شرکت کی۔ مہاتما گاندھی یکم اگست 1947 کو سرینگر پہنچا اور مہاتما گاندھی کے اپنے ریکارڈ کے مطابق اس نے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی اور اس کو رام چندر کاک وزیر اعظم جو الحاق ہندوستان کا مخالف تھا) کو عہدہ سے ہٹانے اور شیخ عبداللہ کو رہا کرنے کی بات کی وہ بخشی غلام محمد سے بھی ملے[26]۔

شیخ عبداللہ ''آتش چنار'' کے صفحہ 267 میں لکھتے ہیں کہ گاندھی 13 اگست 1947 کو جموں کے راستے واپس چلے گئے۔ واپسی پر انہوں نے کشمیر کے بارے میں بیان دیا اور کہا ''میں نے دیکھا کہ کشمیریوں کے دلوں پر شیخ عبداللہ راج کرتے ہیں۔ کشمیر کے مہاراجہ نے اپنی رعایا کا وشواس کھو دیا ہے۔ وہ شیخ عبداللہ کی عزت کرتے ہیں۔ ان کی سیواؤں اور قربانیوں کے سبب شیخ صاحب کو رہا کرنے سے ہی کشمیر کے عوام خوش ہونگے''[27]۔

کانگرس کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانے کیلئے سازشوں کے جال بن رہی تھی۔ سردار پٹیل جو کہ 15 اگست سے پہلے ہندوستان میں ریاستوں کا وزیر تھا اور 15 اگست کے بعد ہندوستان کا نائب وزیر اعظم بنا کے مختلف خطوط درگا داس نے 1971 میں شائع کروائے۔ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی کانگرسی رہنما کس طرح کشمیر کے حوالے سے سازشیں کر رہے تھے۔ چند خطوط شامل کئے جا رہے ہیں تا کہ کانگرس کے چہرے کا نقاب اتارا جا سکے۔ پٹیل نے مہاراجہ ہری سنگھ کو 3 جولائی 1947 کو خط لکھا جس میں کہا گیا کہ ''میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ جس مشکل اور نازک حالت میں ریاست موجود ہے لیکن آپ کے ایک پُر خلوص دوست اور ریاستی عوام کے خیر خواہ کے طور پر میں

آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کشمیریوں کا مفاد انڈین یونین اور اس کی قانون ساز اسمبلی میں بلا تاخیر شمولیت میں ہے۔اس کی ماضی کی تاریخ اور روایات اس کا مطالبہ کرتی ہیں اور پورا ہندوستان آپ کی طرف دیکھ رہا ہے اور آپ سے توقع کر رہا ہے کہ آپ یہ فیصلہ لیں گے۔80 فیصد انڈیا اس طرف ہے۔۔۔۔۔ مجھے سخت مایوسی ہوئی جب کہ جناب وائسرائے ہند آپ کے ساتھ مکمل اور کھل کر بات نہیں کر سکے میں آپ کو تجویز کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اگر آپ دہلی تشریف لے آئیں اور آپ یقینی طور پر جناب وائسرائے کے مہمان ہوں گے ہم ایک موقع چاہتے ہیں کہ ہم آزادی کے ماحول میں بیٹھ کر کھل کر معاملات پر بحث کریں مجھے یقین ہے کہ جو آپ کے خدشات اور شبہات میں نے گوپل داس سے سنے ہیں وہ مکمل طور پر ختم ہو جائیں گے۔آپ کو بہرصورت آزاد ہندوستان کے رہنماؤں سے دوستی کرنی چاہیے جو کہ آپ کے دوست بننا چاہتے ہیں۔

13 ستمبر 1947ء کو سردار پٹیل نائب وزیر اعظم ہندوستان میں وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ کو لکھا کہ ''میں نے کشمیر دربار سے لیفٹیننٹ کرنل کشمیر سنگھ کٹوچ کو کشمیری افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کرنے کیلئے درخواست وصول کی ہے۔آپ کشمیر کی مشکلات کو بخوبی سمجھتے ہیں اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے بہت مفید ہوگا کہ ہماری فوج کا ایک آفیسر کشمیر کی فوج کا کمانڈر انچیف ہو''۔

21 ستمبر 1947ء کو سردار پٹیل نے مہاراج ہری سنگھ کو ریاست کا وزیر اعظم مہر چند مہاجن مقرر کرنے پر مبارکباد کا خط بھیجا۔اس خط میں لکھا کہ ''جسٹس مہر چند مہاجن نے مجھ سے ریاست کی ضروریات کے بارے میں گفتگو کی ہے اور میں نے اس کو اپنی طرف سے مکمل مدد اور تعاون کا یقین دلایا ہے۔ہمیں مکمل طور پر احساس ہے کہ وہاں کی صورت حال کتنی مشکل ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ریاست کی اس مشکل حالت میں مدد کیلئے سب کچھ کریں گے۔مہاجن آپ کو ہماری گفتگو جو کہ کشمیر کے مفادات پر اثر انداز ہوتی ہے، زبانی بتائے گا۔میں نے ایک خط مسٹر بترہ ڈپٹی وزیر اعظم جموں وکشمیر کو بھی ان معاملات کے بارے میں لکھا ہے جس میں وہ ہماری مدد چاہتا ہے[28]''۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مہاجن ایک متعصب قسم کا پنجابی ہندو تھا جس نے پہلے کانگرس کی نامزدگی پر پنجاب باؤنڈری کمیشن میں بھی بطور ممبر کام کیا تھا اور اس نے ریڈکلف ایوارڈ میں ہندوستان کو بھرپور فائدہ پہنچایا تھا،کو کشمیر کا وزیر اعظم نامزد کرنا دراصل ہری سنگھ اور کانگرس کی ملی بھگت تھی اس طرح ہندوستان کی فوج سے کشمیر کی افواج کا کمانڈر انچیف لینا بھی ظاہر کرتا ہے کہ درپردہ مہاراجہ ہری سنگھ ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ کر چکا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کا کردار

مہاراجہ ہری سنگھ کا کردار دوعملی کا شکار رہا۔مہاراجہ کے لیے ریاست کے عوام سے زیادہ اہم اس کا اپنا مستقبل تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح بھی اقتدار میں رہے۔سکھوں اور ہندوؤں کو مسلح کرنے کے علاوہ اس نے اکالی دل،راشٹریہ سیوک سنگ اور ہندوؤں کے رحم

وکرم پر مسلمانوں کو چھوڑ دیا۔ گذشتہ صفحات میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ مارچ 1947 سے ہی مہاراجہ کی ڈوگرہ افواج نے مسلمانوں کو خوفزدہ کیا ان کے گھر جلانے اور نسل کشی خاص کر ان علاقوں میں جو پاکستان کے ساتھ ملحقہ پونچھ اور جنوبی جموں میں شروع کی۔ جموں میں کم از کم 05 لاکھ مسلمانوں کو ہجرت اور کم وبیش 2 لاکھ لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔

مہاراجہ پاکستان اور کشمیر کے درمیان تقریباً 3 میل چوڑائی کے علاقہ کو بفر زون بنانا چاہتا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو یا تو پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا یا قتل کر دیا گیا اور دوسرے علاقوں سے ہندوؤں کو کشمیر میں داخل کیا گیا۔ ہندوستان اس ظلم میں اپنے کردار سے انکار کرتا ہے لیکن یہ خفیہ طور پر ڈوگرہ افواج کو اسلحہ فراہم کر رہا تھا۔

C.B.DUKE لاہور میں برطانیہ کے ڈپٹی کمشنر اکتوبر کے تیسرے ہفتہ میں علاقہ کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے کشمیر گیا اس نے دیکھا کہ دریائے چناب کے قریب تقریباً 20 گاؤں کو جلا کر صفحۂ ہستی سے مٹایا گیا تھا۔ اور ان میں مساجد کی راکھ تھی۔ یہ مسلمان تھے جو اس ظلم کا شکار تھے۔ مہاراجہ نے مذہبی بنیادوں پر علاقہ کی صفائی کا حکم دیا۔ 20 اکتوبر 1947 کو مہاراجہ کی افواج نے پاکستان کی سرحد کو عبور کر کے مارٹر، خودکار بندوقوں اور گرنیڈوں سے حملہ کیا۔ ایک برطانوی آفیسر جو موقع پر موجود تھا کہ مطابق 1750 لوگ قتل کئے گئے یہ وہ تعداد ہے جو ہسپتال لائی گئی [29]۔ مہاراجہ نے اپنے اعتدال پسند وزیراعظم کو برطرف کیا، ہندوستان کی افواج سے کشمیر کی افواج کیلئے کمانڈر انچیف لایا، مہر چند مہاجن جیسے متعصب ہندو کو مسلم اکثریت ریاست کا وزیراعظم بنایا۔ آر ایس ایس، اکالی دل اور ہندو غنڈوں کو مسلح کیا اور ان کو ہر طرح کی سہولیات دیں۔ ریاستی افواج اور پولیس میں موجود مسلمانوں کو برطرف کیا۔ ہری سنگھ کے اپنے بیٹے کرن سنگھ اپنی کتاب میں اعتراف کرتے ہیں کہ ''مہاراجہ نے اپنے اعتدال پسند وزیراعظم جس نے پاکستان سے الحاق کی سفارش کی تھی اور وہ برطانوی آفیسر جو اس کی فوج اور پولیس میں تھے برطرف کر دیئے'' [30]۔

ماونٹ بیٹن اور ریڈکلف کا کردار

انڈین نیشنل کانگرس اور اس کی لیڈر شپ کی خواہش تھی کہ انگریز تو ہندوستان سے چلے جائیں لیکن پاکستان قائم نہ ہو گاندھی پاکستان کے قیام کو کہتے تھے کہ ''یہ گاؤ ماتا کی چیر پھاڑ ہے''۔ 3 جون 1947ء کو تقسیم برصغیر کے منصوبے کا اعلان کیا گیا۔ اس منصوبے کے مطابق مسلم اکثریتی علاقوں کو پاکستان کے ساتھ شامل ہونا تھا لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اثر و رسوخ پر ریڈکلف ایوارڈ جس نے پنجاب اور بنگال کی حد بندی کرنی تھی انتہائی جانب داری کا مظاہرہ کیا۔ ہندوستان کو کشمیر تک رسائی دینے کیلئے مسلم اکثریتی علاقے گورداس پور اور بٹالہ تحصیلیں ہندوستان کو دی گئیں۔ تقسیم برصغیر کے وقت گورداس پور تحصیل میں 52.1 فیصد مسلمان، شکر گڑھ تحصیل میں 51.3 فیصد مسلمان اور بٹالہ تحصیل میں 55.06 فیصد مسلمان تھے۔ فیروز پور اور زیرہ تحصیل میں مسلمانوں کا تناسب بالترتیب 55.2 اور 65.2 فیصد تھا جبکہ

جالندھر اور اجنالہ تحصیلوں میں مسلمانوں کا تناسب 51.1 اور 59.4 فیصد تھا یہ تمام علاقے ہندوستان کو دینے کا مقصد صرف اور صرف ہندوستان کو کشمیر تک رسائی دینی تھی۔ برصغیر کی اس سیاسی صورتحال میں ذاتی تعلقات، جذبات اور نفرتوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے خصوصی تعلقات میں کسی کو شک نہ تھا اور نہرو اور شیخ عبداللہ کی دوستی بھی بہت اہمیت رکھتی تھی۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی ریاستوں کو 15 اگست سے قبل ہر ممکن طریقہ سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنا مستقبل بھارت سے وابستہ کریں۔ وی۔ پی۔ مینن نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کس طرح ماؤنٹ بیٹن ان ریاستوں کو جو انڈین یونین کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھیں۔ ہندوستان کے ساتھ ملانے کیلئے کوششیں کیں۔ مہاراجہ جودھ پور جو پاکستان سے الحاق کا خواہاں تھا کو ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ وہ خود ہندو ہے اور ریاست کی اکثریت بھی ہندو ہے اور اگر وہ پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کرے گا تو یہ تقسیم برصغیر کے اصولوں کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ اس کے عوام کیلئے بہت مشکلات پیدا کرے گی [31]۔اسی طرح اس نے سر ایس۔ پی راما سوامی جو ریاست ٹراون کور کے وزیر اعظم تھے اور خود مختار رہنا چاہتے تھے کو قائل کیا اور یہی کہانی اس نے اندور اور بھوپال میں بھی دہرائی۔ درحقیقت ماؤنٹ بیٹن اپنے آپ کو ہندو ہی سمجھ رہا تھا 15 اگست کو بھارت کے یوم آزادی کے موقع پر جئے ہند کے ساتھ پنڈت ماؤنٹ بیٹن کی جے کے بھی نعرے لگتے تھے۔ George Cunningham جو اس وقت خیبر پختونخواہ میں گورنر تھا۔ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ ''ماؤنٹ بیٹن مسلمانوں سے شدید نفرت رکھتا تھا اور یقینی طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کو ہندو کی آنکھ سے دیکھنے کے علاوہ نہیں دیکھتا'' [32]۔ آئن سٹیفن جو سٹیٹس مین کے ایڈیٹر تھے ان کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے 26 اکتوبر 1947ء کو ڈنر پر بلایا سٹیفن نے لکھا کہ انکا کشمیر کے حوالے سے بالکل یکطرفہ مؤقف تھا اور یہ لگتا تھا کہ جیسے وہ مکمل طور پر ہندو کے ہمدرد ہیں اور پاکستان مسلمانوں اور جناح کے بھرپور مخالف۔

جواہر لعل نہرو ریاست جموں وکشمیر کے معاملات سے مکمل رابطوں اور منصوبہ بندی میں تھا ریاست جموں کشمیر کی صورتحال کو اس وقت کئی مبصر ریاست کے اندر اور باہر سے دیکھ رہے تھے جس کے مطابق ہندوستان کو شروع ہی سے ریاست جموں وکشمیر کو اپنے ساتھ ملانے کی دلچسپی تھی۔ اقوام متحدہ میں ہندوستان کے اس وقت کے نمائندے آئنگر نے 15 جنوری 1948 کو ریاست جموں وکشمیر کا مسئلہ پیش کیا ان کی تقریر کا ایک اقتباس بذیل ہے۔

''یقیناً ہندوستان کی ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کے فیصلہ اور الحاق سے خصوصی دلچسپی تھی۔ کشمیر کی جغرافیائی اہمیت اور اس کی روس اور چین سے سرحدیں ملحق ہونے کی وجہ سے ہندوستان کی سکیورٹی اور ان کے بین الاقوامی رابطوں کی وجہ سے اہمیت رکھتا ہے۔ معاشی لحاظ سے بھی کشمیر ہندوستان کے ساتھ ہونا ضروری ہے کیونکہ سنٹرل ایشیاء کے ساتھ ہندوستان کے رابطے کے راستے ریاست کشمیر سے جاتے ہیں۔''

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے تمام تعلقات اثر ورسوخ اور دلائل پانچ سو خود مختار ہندوستانی شاہی ریاستوں کے حکمرانوں کو قائل کرنے پر استعمال کیے کہ وہ پاکستان سے الحاق کرنے یا خود مختار رہنے کے بجائے بھارت کے ساتھ الحاق کریں جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہا[33]۔سہروردی لکھتے ہیں کہ ''17 اگست کو ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق گورداس پور اور بٹالہ کی مسلم اکثریتی تحصیلیں جو پاکستان کے ساتھ منسلک تھیں ہندوستان کو دے دی گئیں۔اب ہندوستان کیلئے کشمیر کے ساتھ بذریعہ سڑک رابطہ میں کوئی دقت نہ تھی۔پٹھان کوٹ اور جموں کے درمیان فوری سڑک کی کشادگی اور پختگی کا کام شروع کیا گیا۔دریائے راوی پر ایک پل تعمیر کیا گیا۔۔۔۔پٹھان کوٹ اور جموں کے درمیان بہت تیزی سے ٹیلی فون کا نظام قائم کیا گیا۔یہ سب کام ستمبر سے قبل ہی مکمل کئے گئے[34]۔

وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی ذاتی رپورٹ نمبر 15 مورخہ یکم اگست 1947 میں لکھا ہے کہ ''میرے پاس اس بات کا یقین کرنے کی وجہ تھی کہ جب پٹیل نے کوشش کی۔نہرو کے مجوزہ دورہ کشمیر کے بارے میں ہماری میٹنگ سے ایک رات قبل نہرو پھوٹ پڑا اور رویا یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ اس موقع پر کشمیر اس کے لئے کسی بھی اور چیز سے زیادہ اہم ہے۔'' درحقیقت لارڈ ماونٹ بیٹن نے ریاست جموں وکشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی بھرپور کوشش کی۔اس مقصد کے لئے اس نے 1947 میں 18 جون سے 23 جون تک سری نگر کا دورہ کیا سری نگر روانگی سے قبل پنڈت نہرو نے اس کو کشمیر کے حوالے سے ایک تفصیلی نوٹ دیا اس نوٹ میں اس نے مکمل تفصیلات لکھی کہ ریاست جموں وکشمیر کو ہندوستان سے الحاق کے لئے کیا کیا اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ماونٹ بیٹن نے مہاراجہ کو یقین دلایا کہ وہ ضرور کشمیر کو بھارت سے ملانے کا مقصد حاصل کرے گا[35]۔

Sir Conard corfield لکھتے ہیں کہ ''مجھے ماؤنٹ بیٹن سے کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ میری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتا تھا، جب اس نے کشمیر کا دورہ کیا تو روایت سے ہٹ کر اس نے اپنے ساتھ سیاسی مشیر کو مدعو نہیں کیا جب بھی میں نے کشمیر کے بارے میں کوئی بات کی تو اس نے اہمیت نہیں دی۔کیونکہ نہرو کشمیر کو بھارت کے ساتھ رکھنا چاہتا تھا''[36]۔

شیخ عبداللہ آتش چنار کے صفحہ نمبر 275 میں لکھتے ہیں کہ ''جب جون 1947 میں ماؤنٹ بیٹن کشمیر آیا تو اس نے مہاراجہ کو صلاح دی کہ اس کی آبادی کی ترکیب یوں تو پاکستان کے ساتھ الحاق کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا وہ اگر راضی ہے تو پاکستان سے الحاق کا اعلان کر دے۔ مہاراجہ نے ہچکچاہٹ دیکھائی اس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا پھر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرلو کہ پیادا فوج کا ایک ڈویژن فوراً یہاں بھجوادوں گا تاکہ کسی کو شرارت نہ سوجھے''[37]۔

لارڈ ماونٹ بیٹن کی صاحبزادی لیڈی پامیلہ ماونٹ بیٹن نے لیڈی ماونٹ بیٹن اور تقسیم ہند کے منصوبے کی بڑی خوبصورت انداز میں تشریح کی ہے۔ماونٹ بیٹن برصغیر میں کامیابی بھی چاہتا تھا اور اس کو برصغیر پر راج کرنے کی بھی خواہش تھی۔وہ اپنی کتاب India

Rememberd میں لکھتی ہیں کہ: غالباً یہ برصغیر میں ناکامی کا خدشہ تھا کہ اس کے والد نے اپنی اہلیہ (ایڈوانا) اور پنڈت نہرو کے درمیان قریبی تعلقات پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے درمیان محبت پیدا ہوگئی'' آگے لکھتی ہیں ''اس کی بیوی کے نہرو کے تعلقات کارآمد تھے۔ جب حالات احتیاط طلب اور پیچیدہ ہوتے تو میرے والد میری والدہ سے کہتے'' کہ جاؤ اور نہرو کو اعتماد میں لو۔ مسئلہ بہت اہم ہے''۔ ''تقسیم برصغیر سے پہلے مئی 1947ء میں جب حالات نازک مرحلہ پر تھے تو ہماری فیملی نے شملہ میں کچھ دن تعطیلات گزارنے کا فیصلہ کیا اور نہرو اور کرشنا مینن کو بھی ساتھ جانے کی دعوت دی۔ وہاں پہنچ کر کچھ دن بعد میرے والد نے اپنے ضمیر کا امتحان لینا شروع کیا اور اپنا تقسیم برصغیر کا منصوبہ (جو بعد میں 03 جون 1947ء کا پلان کہلایا) نہرو کو دکھانے کا فیصلہ کیا۔ تا کہ اس سے اس بارے میں باز رسی ہو سکے۔ نہرو نے تابندگی ظاہر کی۔ دوسرے دن نہرو نے منصوبے کے کئے حصوں کو مسترد کر دیا۔ میرے والد نے دوبارہ غور کیا اور مینن کے ساتھ مل کر تمام منصوبے کو دوبارہ تیار کیا اور اسے دوبارہ لندن میں پیش کیا۔ جس سے وہاں انڈیا آفس اور وزیراعظم ایٹلی کے ہاں بڑی پریشانی اور کھلبلی ہوئی۔ اس سے ان لوگوں کا منہ بند ہونا چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ دونوں فریقین کے ساتھ یکساں سلوک کیا گیا''۔''ترمیم شدہ منصوبہ کی خاص باتیں یہ تھیں کہ انتقال اقتدار جلدی کیا جاوے۔ تا کہ بڑھتے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کی ذمہ داری سے برطانیہ کی جان چھوٹے۔ پنجاب اور بنگال کو تقسیم کیا جائے اگرچہ ان کی حیثیت مسلم اکثریتی علاقوں کی ہے (تا کہ پاکستان کو چھوٹے سے چھوٹا بنایا جائے)۔ کسی ریاست کو آزادی کا اختیار نہ ہو۔ متحدہ بنگال نہ ہو اور حیدرآباد کا پاکستان سے الحاق نہ ہو۔ اس طرح نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان مفاہمت کی وجہ سے ماؤنٹ بیٹن بھارت کے پہلے گورنر جنرل بنے''38۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن، گاندھی، نہرو، پٹیل اور بلدیو سنگھ ہر قیمت پر کشمیر کا بھارت سے الحاق کرنا چاہتے تھے۔ راشٹریہ سیوک سنگھ، اکالی دل اور دیگر انتہا پسند تنظیمیں جموں و کشمیر میں مسلمانوں کو اقلیت میں بدلنے کے لئے کوششیں کر رہے تھے۔ جس کے لئے وہ مسلمانوں کو قتل کرنے، خوفزدہ کرنے ان کی جائیدادوں کو لوٹنے اور ان کو ہجرت پر مجبور کرنے کے اقدامات کر رہے تھے۔

ریاست جموں کشمیر پر بھی قبضہ کرنا کانگرسی قیادت کی دیرینہ خواہش تھی اور 27 اکتوبر 1947 کو ریاست جموں و کشمیر پر قبضہ کے دن کا آغاز نہیں تھا بلکہ یہ ان کے قبضے کا سر عام اظہار تھا۔ ریاست جموں و کشمیر کے عوام نے نہ 1947 میں اس قبضہ کو قبول کیا اور نہ ہی آج اس جبری قبضہ کو قبول کرتے ہیں۔ 06 لاکھ سے زائد شہداء کا خون اس جدوجہد آزادی کے مشن میں شامل ہے۔ ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی جدوجہد انشاء اللہ کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

شیخ عبداللہ کا کردار

شیخ عبداللہ کو ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں نے بڑی عزت و احترام دیا ہندوستان نے کشمیر میں اپنے پاؤں جمانے کے لئے شیخ

عبداللہ کو اپنے جال میں پھنسایا اور شیخ عبداللہ عوامی طاقت کے بجائے کانگرس کی طاقت کے گردیدہ ہو گئے۔ شیخ عبداللہ کو شیر کشمیر کا خطاب 1931ء میں پتھر مسجد کی واگزاری کے وقت کشمیری عوام نے دیا تھا۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس جلوس کے آگے مظفر آباد سے بھی راجہ حیدر خان، راجہ عبدالحمید خان، مولوی سعید مسعودی، میاں احمد یار اور پیر حسام الدین گیلانی بھی جھنڈے اٹھا کر چل رہے تھے۔ راجہ حیدر خان لکھتے ہیں۔ ''پتھر مسجد مسلمانوں نے 1931ء کو واگزار کروائی۔ اس کا افتتاح زیر قیادت شیخ محمد عبداللہ ہوا۔ چنانچہ اس موقع پر کافی رضا کار بھرتی کیے گئے پل کے پاس ایک بہرا بڑا اکڑاہ رکھا گیا۔ اس میں تمام صاف کیسری رنگ میں رنگ دیئے گئے اور تمام رضا کاروں کو اپنے انداز میں پگڑیاں باندھ کر دیتے ۔۔۔۔۔۔۔ ہمارا جلوس امیرا کدل کے پاس روانہ ہوا۔ میرے اور راجہ عبدالحمید خان کے ہاتھ مین جھنڈا تھا اور جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ شیر کشمیر کو یہ خطاب دینے والا یہی جلوس تھا۔ ہمارے جو بیج تھے ان کے اوپر آزاد کشمیر اسمبلی لکھا ہوا تھا اور ہری سنگھ کے خلاف نظمیں پڑھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ لمحات نے خطا کی اور برسوں نے سزا پائی۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنا سیاسی کردار، اپنا عقیدہ اور اپنی سوچ بدل دی تھی جس کی وجہ سے کشمیریوں کے نزدیک ان کی اہمیت ختم ہو گئی۔ 1934 میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے ریاستی اسمبلی کے الیکشن میں بھرپور اکثریت حاصل کی۔ شیخ عبداللہ اپنے روابط بڑھانے کے لئے ہندوستان چلا گیا۔ اس نے نہرو سے ملاقات کی جس کی ریاست کی سیاست پر گہری نظر تھی۔ ہندو انتہائی چالاک ہندو سیاسی رہنما تھے۔ دفاعی لحاظ سے انتہائی اہم ریاست کشمیر میں ایک مضبوط مسلمانوں کی تحریک ہندوؤں کے مفاد میں نہیں تھی۔

جسٹس یوسف صراف نے درست لکھا ہے ''نہرو کے لئے ہندوستان ایک انگوٹھی اور کشمیر میں اس کی حیثیت موتی جیسی تھی''39۔

نہرو کے ساتھ میٹنگ کے بعد شیخ عبداللہ کے دماغ میں نیشنل کانفرنس کا بھوت سوار ہو گیا۔ 1936 میں گوپال سوامی آئینگر مہاراجہ ہری سنگھ کا وزیر اعظم مقرر ہوا۔ آئینگر کی بطور وزیر اعظم تعیناتی کے لئے کانگریس نے اثر ورسوخ استعمال کیا تھا کیونکہ وہ کٹر کانگرسی تھا۔ 1938 کو مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہونا تھا اجلاس سے قبل شیخ عبداللہ نے خان عبدالغفار خان اور پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کی۔ بقول چوہدری غلام عباس ''جب وہ جموں پہنچے تو ان کے تیور بدلے ہوئے تھے اور سرحد سے نیشنلزم کا اتنا تند و تیز جام چڑھا کر آئے تھے کہ اس کا نشہ کبھی اتر ہی نہ سکا''40۔

سرینگر میں 24 فروری 1947ء کو ہندو اور مسلمانوں نے رہائی کے بعد شیخ عبداللہ کا مشترکہ استقبال کیا۔ اس موقع پر کشمیری رہنماؤں کے ساتھ ساتھ مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کے حق میں نعرے لگائے۔ شیخ عبداللہ نے استقبالی جلوس سے خطاب کرتے ہوئے جو تقریر کی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''ہم گاندھی کی حمایت کرتے ہیں۔ کانگرس ہماری معاون و مددگار ہے اور اس کی سرپرستی اور اعانت سے ہم

فرقہ وارانہ تحریکوں کو مٹا دیں گے مسلم لیگ ٹوڈیوں کی جماعت اور مسٹر جناح بے عمل انسان ہے۔ غیر ریاستی مسلم اخبارات ہمارے دشمن ہیں ۔نظام حیدر آباد آزادی مذہب اور رعایا کا دشمن ہے'' 41۔

شیخ عبداللہ جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کے ساتھ کھیل رہے تھے اور کانگرس کی چرنوں میں بیٹھ گئے تھے۔ مارچ 1939ء میں شیخ محمد عبداللہ، پنڈت کیشپ بندھو، پنڈت پریم ناتھ بزاز اور مولوی محمد سعید مسعودی نے تری پورہ میں کانگرس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی اور اسکے بعد شیخ عبداللہ نے ہندوستان کا دورہ کیا۔

شیخ عبداللہ مسلسل متحدہ قومیت کے نظریہ کا پرچار کر رہے تھے اور کانگرس کی سوچ سے متفق تھے۔ شیخ عبداللہ کے پانچ چھ خاص معتمد تھے جن میں صرف ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی سارے آئینگر کے ایجنٹ تھے۔ آئینگر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے کوشاں تھا۔ چوہدری غلام عباس لکھتے ہیں کہ ''شیخ عبداللہ کو ہندوؤں کی جانب سے متحدہ قومیت کا جو یقین دلایا جا رہا تھا۔ اس کی غرض محض یہ تھی کہ شیخ کو جو اس وقت ہندو کانگرس کی مالی منفعت کے جال میں آچکا تھا اسلامی سواداعظم سے کاٹ دیا جائے'' نیشنل کانفرنس کے قیام کی منصوبہ بندی کے ساتھ ہی شیخ عبداللہ پہلے دہلی جا کر نہرو سے ملے اور واپسی پر لاہور میں ٹریبیون اخبار کے ذریعہ ایک بیان میں کانگرس کی تعریف کی نہ صرف وہ بار بار اخبارات میں کانگرس کی تعریف کرتے بلکہ دبے لفظوں میں مسلم لیگ پر تنقید بھی کرتے۔

1940 میں جب آئینگر ہندی اور ہندی رسم الخط کو زبردستی مسلمانوں پر ٹھونسا جا رہا تھا اور اسلحہ ایکٹ نافذ کیا جس کی رو سے ہندو راجپوتوں کو بلا روک ٹوک اسلحہ رکھنے اور ان کے کارخانے چلانے کی کھلی اجازت دی گئی شیخ عبداللہ نے ان دونوں اقدامات کی جو مسلم کش تھے حمایت کی مئی 1940 میں شیخ عبداللہ کی دعوت پر نہرو کشمیر آئے اور دس دن قیام کیا انہوں نے ہندوؤں کو ہدایت کی کہ وہ نیشنل کانفرنس میں شامل ہو کر شیخ عبداللہ کے ہاتھ مضبوط کریں۔ اس وقت نیشنل کانفرنس کو ہندوؤں کا پیسہ اور وسائل بھی فراہم تھے۔

شیخ عبداللہ اور ان کی نیشنل کانفرنس نے گاؤکشی کی سزا اور ایسے متعدد فیصلوں میں حکومت کا ساتھ دیا۔ نیشنل کانفرنس کی ریاست جموں وکشمیر کے مسلمانوں میں مقبولیت کم ہو رہی تھی جس کی وجہ کانگرس سے دوستی، مسلم لیگ سے دشمنی، دوقومی نظریہ کی مخالفت، متحدہ قومیت کی حمایت اور پھر کبھی اپنے آپ کو نیشنلسٹ، کبھی کیمونسٹ اور کبھی مسلمان ظاہر کرنا اور کبھی بیک وقت تینوں پہلو اختیار کرنا۔

1945 میں نہرو ایک بار پھر مولانا عبدالکلام آزاد اور عبدالغفار خان کے ہمراہ شیخ عبداللہ کی دعوت پر کشمیر آئے۔ ان کے استقبال کے لئے نیشنل کانفرنس نے دریائی جلوس نکالا۔ صفوری باغ کا میں خطاب کرتے ہوئے خان عبدالغفار نے کہا ''شیخ عبداللہ خدا کا تحفہ ہے اگر آپ کی پیروی نہیں کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے۔''

شیخ عبداللہ جب گرفتار ہوئے تو نہرو اور گاندھی کی مداخلت پر ان کو رہائی ملی۔ 1947 میں جب کشمیریوں نے آزادی کی جدوجہد

شروع کی تو شیخ عبداللہ نے اپنی ایک فورس تیار کی جو مسلمانوں پر حملے کرتی تھی اور ہندوستان مخالف مسلمانوں کو قتل کرتی تھی۔ 27 اکتوبر 1947 کو جب سرینگر ہوائی اڈے پر بھارتی افواج اتریں تو شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے کارکنوں نے ان کے ساتھ مل کر ہندوستان کے کشمیر پر قبضہ کے مخالفوں پر عرصہ حیات تنگ کیا۔ ہندوستان کے کشمیر پر قبضہ کے فوری بعد شیخ عبداللہ کو چیف ایگزیکٹیو بنا دیا گیا۔

شیخ عبداللہ کے کرادر اور شخصیت میں تضاد کے حوالہ سے امان اللہ خان لکھتے ہیں کہ انہوں نے میٹرک فرسٹ ڈویژن کے ساتھ کی اور وہ پاکستان منتقل ہونا چاہتے تھے۔ اگست 1951 میں شیخ عبداللہ سے ملنے کے لئے گیا تو انہوں نے مجھ سے مارک شیٹ مانگی وہ لکھتے ہیں کہ ''دوسرے دن میں مارک شیٹ لے کر شیخ صاحب کے ہاں پہنچا وہ لان میں بیٹھے تھے اور بہت سے بھارتیون سے بات کر رہے تھے۔ مجھے گیٹ پر کھڑا دیکھا اور بلایا میں نے مارک شیٹ دیکھائی تو کہنے لگا اچھا فرسٹ ڈویژن ہے۔ میں نے کہا جناب میں نے فرسٹ ڈویژن ہی نہیں لی بلکہ یونیورسٹی بھر کے مسلمان طلباء میں اول آیا ہوں انہوں نے پھر کہا فرسٹ ڈویژن لی میں نے جواب پھر دہرایا اس پر شیخ صاحب نے گرج کر کہا شٹ اپ میں یہ بکواس سننا نہیں چاہتا'' امان اللہ خان لکھتے ہیں کہ دراصل شیخ صاحب وہاں موجود بھارتیوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ وہ کٹر قسم کے سیکولرسٹ ہیں اور مذہب کی بنیاد پر پیش کیے جانے والے کسی استدلال کو تسلیم یا برداشت نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو سیکولرسٹ ثابت کرنے کے شوق میں شیخ صاحب نے فلم درد کے گانے ''اسلام کی کشتی کو ہم پار لگا دیں گے'' تک پر پابندی لگا دی 42۔

امان اللہ خان نے اسی کتاب میں شیخ عبداللہ کی طرف سے مقبول گیلانی کو لکھے گئے خط کا حوالہ بھی دیا ہے۔ یہ 1968 کی بات ہے اور شیخ عبداللہ جنوبی بھارت کے علاقہ ڈائی کنال میں نظر بند تھے۔ امان اللہ خان لکھتے ہیں کہ وہ خط انہوں نے خود پڑھا ان کے بقول ''شیخ عبداللہ نے انتہائی عاجزانہ انداز میں گیلانی صاحب کے ذریعہ پاکستان کے ایک آفیسر سے استدعا کی تھی کہ وہ حکومت پاکستان سے سفارش کر کے انہیں (شیخ صاحب) کو کچھ مزید مالی امداد دے دیں۔ خط میں بار بار اپنی مجبوریوں کا رونا رویا گیا تھا 43۔

شیخ عبداللہ نے کشمیریوں کے اتحاد و اتفاق کو نقصان پہنچایا آج مقبوضہ کشمیر کی غلامی کی ذمہ داری شیخ عبداللہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس کی اولاد آج بھی ہندوستان اور کانگریس کی وفادار ہے۔

کیا قبائلیوں کی آمد، کشمیر پر ہندوستانی قبضہ کی وجہ بنی۔۔؟

1947 کے اوائل سے ہی مظفر آباد کو ڈوگرہ حکومت آر ایس ایس اور اکالی دل اپنا مرکز بنا رہے تھے جنوری 1947ء میں آر ایس ایس کے رہنما ماسٹر تارا سنگھ اور اکالی دل کے ڈاکٹر ہرنام سنگھ نے مظفر آباد میں سنگھ سبھا کے زیر اہتمام ایک جلسہ سے خطاب کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ریاست جموں وکشمیر میں ڈوگرہ مظالم کے خلاف جدوجہد میں شدت اپریل 1947 سے ہی آنا شروع ہوگئی تھی۔ پونچھ بھرپور مسلح تحریک تھی جنگ عظیم دوم میں 71667 ریاست جموں وکشمیر کے عوام نے برٹش انڈین فورس میں

خدمات سرانجام دیں جن میں 60402 مسلمان پونچھ اور میرپور سے تھے۔ ریاست جموں وکشمیر کی صورتحال کے حوالہ سے جسٹس (ر) محمد اکرم خان اپنی کتاب جو ہم گزار چکے کے صفحہ 51 پر لکھتے ہیں کہ ’’حکومت اس قتل عام کی ذمہ دار ہے جس نے غیر مسلموں کو مسلح کیا تھا کہ وہ نہتے مسلمانوں کو قتل کر سکیں۔ اگر ڈوگرہ حکومت مسلم کش پالیسی اختیار نہ کرتی تو میری رائے میں آزاد کشمیر میں ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام نہ ہوتا۔ حکومت کی شہ پر ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے تھے اور ڈوگرہ فوج نے مسلمانوں کے گھروں اور مساجد کو جلانا شروع کر دیا تھا۔ خود میرے علاقے میں سکھوں کی ایک پارٹی نے ڈنہ سے حملہ آور ہو کر بلند کوٹ تحصیل باغ کے علاقے کے مسلمانوں کے مکانات کو جلا دیا اور ایک مسجد بھی شہید کر دی۔ سکھوں کی اس پارٹی کا سرغنہ ڈنہ کا ایک سردول سنگھ تھا جس کی مدد ڈوگرہ کے سپاہی کر رہے تھے‘‘۔

شمس الدین کنٹھ جو مظفر آباد کے رہائشی ہیں ان کے بقول ’’ایک ہندو لڑکا کرشن لعل میرا گہرا دوست تھا۔ وہ مجھے اپنے بہن بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اس کا والد کانگرس کا کرتا دھرتا رکن تھا۔ قبائلی حملے سے چند ایام قبل وہ مجھے کہنے لگا ہمارے ہندوؤں نے عید والے روز مسلمانوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے‘‘ مجھے بتاؤ میں تمہیں کیسے بچا سکتا ہوں پھر کہنے لگا تم عید والے دن میرے گھر آ جانا میں تمہیں مارنے نہیں دوں گا‘‘ مجھے علم تھا کہ وزیر وزارت کے حکم پر مسلمانوں سے اسلحہ جمع کر لیا گیا بلکہ لوہے کے اوزار جن میں تلوار، چھریاں اور درانٹی شامل تھی وہ بھی تھانے میں جمع کروا دی گئی۔

مظفر آباد شہر میں مسلمانوں پر حملے کے خدشہ کے پیش نظر مظفر آباد قصبے کے کچھ مسلمانوں جن میں سید محمد آمین گیلانی، غلام رسول، حاجی لسہ جومیر، سردار خان، عبدالرحمان، سردار رحمت اللہ وغیرہ شامل تھے۔ صوبہ سرحد جا کر خان عبدالقیوم خان جو کشمیری تھے اور سرحد میں ان کا بڑا اثر ورسوخ تھا ان سے مدد حاصل کرنے کے لئے ملے۔

مجھے حیرانگی ہوئی کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قبائلی نہ آتے تو کیا مظفر آباد کے اور ریاست جموں وکشمیر کے نہتے عوام کو ڈوگرہ حکومت، مسلح سکھ، ہندوؤں، آر ایس ایس اور اکالی دل کے غنڈوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا۔

ڈیوک کے مطابق مہاراجہ نے ایک خطرناک کھیل کھیلا اور یہ کشمیر میں ایک بڑی تباہی کا باعث ہوگا اور یہ ہمسایہ مسلمانوں قبائلیوں کو حملہ کی دعوت ہوگا اور یہ درست تھا پٹھان جو مہینوں سے ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں اپنے مسلمان بہنوں اور بھائیوں کے قتل کی کہانیاں سن رہے تھے اور اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کر رہے تھے ہزاروں قبائلی پٹھان سابقہ ریلوے گارڈ خورشید انور کی قیادت میں منظّم ہو گئے۔ قبائلیوں میں اکثریت آفریدی اور مہمند قبائل کی تھی جو خیبر پختونخواہ سے تعلق رکھتے تھے نے اپنی بندوقوں کے گرد ایک کپڑے کی روشن پٹی باندھی جو اس بات کا حلف تھا کہ جب تک انہوں نے پنجاب میں مسلمان بھائیوں کے قتل کا بدلہ نہیں لیا واپس نہیں آئیں گے۔ یہ پہاڑوں

سے نکل کر کشمیر کی سرحد کی طرف چلنا شروع ہو گئے ہیں۔ برطانوی مبصر متفق ہیں کہ خیبر پختونخواہ کی حکومت خورشید انور اور قبائیلیوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔ کشمیری مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے پونچھ سے پاکستان کے سرحدی اضلاع راولپنڈی، جہلم، گجرات اور سیالکوٹ کی طرف ہجرت شروع کر دی یہ مہاجرین ریاستی ڈوگرہ افواج کے ظلم وستم کی داستانیں اپنے پنجابی مسلمان بھائیوں کو سناتے اور اس طرح پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں ظلم وستم کی یہ داستانیں جذباتی کیفیت پیدا کرتی جاتیں۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ایک پمفلٹ بعنوان "The Truth about Kashmir" شائع کیا۔ جو اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے ریکارڈ میں میٹنگ نمبر 537، 6 مارچ 1951 صفحات 4-3 پر موجود ہے میں لکھا کہ ''پونچھ میں جہاں پر ہزاروں تربیت یافتہ سابق فوجی رہتے تھے نے مہاراجہ اور اس کی انتظامیہ کے خلاف بغاوت کا آغاز کر دیا۔ یہ بغاوت جلد ہی میرپور اور دیگر مضافاتی علاقوں تک پھیل گئی۔ مہاراجہ نے اس بات کا احساس کرنے کے بجائے کانگریسی قائدین اور اپنے نئے مشیران کے کہنے پر ساری فوج اس بغاوت کو کچلنے کے لئے بھیج دی۔ مہاراجہ کی فوج نے پورے کے پورے گاؤں جلا دیئے اور معصوم لوگوں کا قتل عام کیا سری نگر تک اطلاعات پہنچی تھی لیکن شائع نہیں ہونے دی گئیں۔ یہ سب کچھ ستمبر 1947 میں قبائیلیوں کے ریاست میں داخل ہونے سے بہت پہلے ہوا''

ریاست جموں وکشمیر میں قبائیلیوں کی آمد کے پس منظر میں ان واقعات کو بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ آزاد کشمیر کے اضلاع پونچھ، میرپور اور مظفر آباد سے ہجرت کر کے پاکستان کے علاقوں میں جانے والوں کی داستانوں کے علاوہ بہت سے خاندانوں کی رشتہ داریاں اور ذاتی تعلقات بھی پاکستان کے ان علاقوں میں عرصہ دراز سے موجود تھے۔ انگریز منصف Horace Alexander اپنی کتاب کشمیر کے صفحہ نمبر 08 میں لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان جو ڈوگرہ فوج کی طرف سے قتل کیا گیا کی میت کو پشاور شہر کی گلیوں میں کندھوں پر اٹھا کر پریڈ کی گئی اور یہ لوگ عوام سے کہتے تھے کہ کشمیر اور ہندوستان میں حکمرانوں کے خلاف جہاد میں ان کا ساتھ دیا جائے اور اس کے کچھ دنوں بعد ہی قبائلی لشکر جہلم ویلی کی طرف سے کشمیر گیا۔

Victoria Schofield اپنی کتاب Kashmir in Conflict کے صفحہ نمبر 60 پر لکھتی ہیں کہ

پریم ناتھ بزاز جو ایک کشمیری پنڈت ہیں کہتے ہیں کہ ان قبائیلیوں کے مقصد کو بھی مدنظر رکھا جانا چاہیے'' وہ کشمیر کو مہاراجہ اور غدار نیشنلسٹوں سے آزاد کروانا چاہتے تھے اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بھارتی فوج لوٹ مار اور عصمت دری میں کسی طرح بھی بیرونی حملہ آوروں سے کم نہ تھی'' لوٹ مار یا قتل صرف قبائیلیوں میں موجود افراد نے ہی نہیں کیا بلکہ مقامی لوگ بھی شریک تھے۔ قبائلی منظم نہ تھے اور نہ ہی جنگ کا تجربہ رکھتے تھے۔ اس دوران ان میں سے کچھ نے اچھے اخلاق وکردار کا مظاہرہ کیا لیکن کچھ نے ظلم وستم بھی کیا۔ ایک ہی ترازو میں سب کو تولنا درست نہیں۔ جنہوں نے ظلم کیا ان کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے اور جنہوں نے اچھے کردار کا مظاہرہ کیا وہ لائق تحسین ہے

۔ہندوستان نے قبائلیوں کے خلاف بہت زیادہ پروپیگنڈہ کیا اور آج بھی اس کے آلہ کار اس پروپیگنڈہ میں مصروف ہیں تاکہ ہندوستان کے ریاست پر ناجائز قبضے کو جوازیت فراہم کی جائے اور ڈوگرہ افواج، ہندو اور سکھ انتہا پسندوں کی طرف سے بے گناہ اور نہتے مسلمانوں کے قتل عام کو جوازیت دی جائے۔

جموں میں مسلمانوں کی نسل کشی۔مظالم اور سفاکیت کی داستان

1947 میں ریاست جموں وکشمیر کی کل آبادی 40 لاکھ تھی جس میں 32 لاکھ مسلمان تھے جموں صوبہ میں 61 فیصد مسلمان، صوبہ کشمیر میں 93 فیصد اور سرحدی اضلاع میں 86 فیصد مسلمان ہیں۔کانگرس اور ہندوستان کی حکومت کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ کشمیر میں مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جا سکے۔اکتوبر 2000ء میں فرنٹ لائن اخبار میں پروین سوامی نے ایک مضمون لکھا جس میں اعداد وشمار کے ذریعے ظاہر کیا گیا کہ کس طرح مسلمانوں کی آبادی کو کم کیا جا رہا ہے اور ہندو کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔مردم شماری رپورٹوں کے مطابق 1971ء سے 1981ء کے درمیان ڈوڈہ ضلع میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کی شرح 11.97 فیصد تھا جبکہ ہندو کی 47.2 تھی اس طرح اسی عرصہ میں ادھم پور میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کا تناسب 6.35 فیصد جبکہ ہندو کا 45 فیصد راجوری میں ہندو کا 47.72 فیصد جبکہ مسلمانوں کا 33.01 فیصد، کٹھوعہ میں ہندو کی آبادی میں 39.38 فیصد اضافہ ہوا جبکہ مسلمانوں کی آبادی میں 14.57 فیصد کمی ہوئی۔اسی طرح جموں ضلع میں ہندو کی آبادی میں اضافہ 36.14 فیصد ہوا جبکہ مسلمانوں کی آبادی میں 29.98 فیصد کمی ہوئی۔یہ اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ مقبوضہ جموں وکشمیر میں 1947 سے لیکر آج تک مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔

ماہ مارچ ہی سے پنجاب اور دوسرے صوبوں سے سیوا سنگھیوں کی ٹولیاں اور پٹیالہ فریدکوٹ اور نابھ کی ریاستوں سے سکھوں کے ہتھیار بند دستے ریاست میں درآمد کئے گئے تھے۔جولائی 1947ء میں راشٹریہ سوایم سیوک سنگھ کے ایک لیڈر بسنت راوا یگریگر نے ان دستوں کا معائنہ کرنے کے لئے ریاست کا دورہ کیا۔ڈوگرہ مہاراجہ کے گروسوامی سنت دیو نے مندروں وغیرہ میں ہندو نوجوانوں کو عسکری تربیت دینے کی مہم شروع کی۔مہارانی تارادیوی نے مسلمانوں کے کلاف ہندوؤں اور سکھوں کا بھڑکانے کے لئے صوبہ جموں کا دورہ کیا۔اگست میں پٹیالہ، کپورتھلہ اور فریدکوٹ کے سکھ حکمرانوں نے سری نگر میں مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی۔اکتوبر 1947 میں جموں میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا تھا اس کا منصوبہ اسی ملاقات مین تیار کیا گیا تھا جس کے بعد ہندوؤں کو مسلح کیا گیا۔۔۔۔تقسیم سے قبل کی افواج ہند کے ایک آزمودہ کار آفیسر لارڈ برڈوڈ (Lrod Birdwood) لکھتے ہیں۔''اگست کے آخر تک سات ہزار رائفلیں جو جموں کے قلعہ میں ایمونیشن کے ساتھ موجود تھیں۔مقامی ہندوؤں میں تقسیم کردی گئیں 44۔''ریاست جموں وکشمیر کے ہندو ڈوگرہ حکمران کی خواہش تھی کہ ریاست جموں وکشمیر میں مسلم آبادی کا تناسب کم کیا جائے۔ستمبر 1947 میں مہاراجہ کی ڈوگرہ افواج نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے، ان

کے گھر جلانے اورنسل کشی خاص کر دو علاقوں پاکستان کے علاقوں کے ساتھ ملحقہ پونچھ اور جموں میں شروع کی۔ مہاراجہ پاکستان اور کشمیر کے درمیان تقریباً 03 میل چوڑائی علاقہ کو بفرزون بنانا چاہتا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو یا تو پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا یا قتل کر دیا گیا اور دوسرے علاقوں سے ہندوؤں کو کشمیر میں داخل کیا گیا۔ ہندوستان اس ظلم میں اپنے کردار سے انکار کرتا ہے لیکن یہ خفیہ طور پر ڈوگرہ افواج کو اسلحہ فراہم کر رہا تھا۔

C.B.Duke لاہور میں برطانیہ کے ڈپٹی ہائی کمشنر اکتوبر کے تیسرے ہفتہ میں علاقہ کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے کشمیر گیا۔ اس نے لکھا کہ "دریائے چناب کے قریب تقریباً 20 گاؤں کی جلا کو صفحہ ہستی سے مٹایا گیا تھا اور ان میں مساجد کی راکھ تھی۔ یہ مسلمان تھے جو ظلم کا شکار تھے مہاراجہ نے مذہبی بنیادوں پر علاقہ کی صفائی کا حکم دیا تھا۔ 20 اکتوبر 1947 کو مہاراجہ کی افواج نے پاکستان کی سرحد کو عبور کر کے مارٹر، خودکار بندوقوں اور گرنیڈوں سے حملہ کیا۔ ایک برطانوی آفیسر جو موقع پر موجود تھا کہ مطابق 1750 لوگ قتل کیے گئے ان میں وہ لوگ شامل نہ تھے جو ہسپتال گئے"45۔

28 اکتوبر کو مسٹر ریڈی کا ایک اور بیان کراچی کے ہندو اخبار ''ڈیلی گزٹ'' نے شائع کیا جس میں کہا گیا کہ ڈوگروں نے غیر مسلح مسلمانوں پر جو تشدد برپا کر رکھا ہے اس سے ہر خوددار انسان کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ میں نے راستے میں ریاستی حکام کو ڈوگروں میں ہتھیار اور گولہ بارود تقسیم کرتے دیکھے۔ مسلح غنڈے فوج کی مدد سے بے سہارا مسلمانوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے۔ راج پورہ کے گاؤں میں میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس سے مجھے انتہائی صدمہ اور رنج پہنچا''46۔

نومبر 1947 تک ان فسادات میں صوبہ جموں کے 123 دیہات کو مکمل ختم کر دیا گیا۔ جموں کنٹونمنٹ میں واقع گاؤں رائے پور کے محلّہ رام نگر کو مکمل جلا دیا گیا۔ ڈوگرہ حکومت کے سپاہی مسلمانوں پر حملوں میں سرفہرست ہوتے تھے۔ ریاستی ادارے نہ صرف مقامی انتہا پسند تنظیموں جیسے آر۔ ایس۔ ایس کو بلکہ وہ جو قریبی مشرقی پنجاب کے گورداسپور کے لوگوں کو بھی اسلحہ فراہم کر رہی تھی۔ لندن ٹائمز میں لکھا'' ہری سنگھ نے جموں کے علاقہ میں دولاکھ سینتیس ہزار (2,37,000) مسلمانوں کو قتل کیا"۔

اسٹیٹسمین کے آئن سٹیفن نے لکھا کہ ''خزاں 1947 سے 2 لاکھ سے زائد لوگوں کو صرف ایک ہی مرحلہ میں قتل کر دیا گیا'' ہورسین الیگزینڈر نے Spectator میں لکھا کہ ''قتل عام ریاستی اداروں کی خواہش پر ہوا جس سے 02 لاکھ سے زائد لوگ قتل ہوئے''

ریاست جموں و کشمیر میں مہاراجہ کی حکومت نے نہ صرف فوج اور پولیس سے مسلمانوں کو نکال دیا۔ جموں شہر کو مسلم آبادی کو غیر مسلح کر دیا گیا۔ جموں کنٹونمنٹ کے مسلم بریگیڈیئر کو تبدیل کر کے ہندو ڈوگرہ آفیسر کو لگا دیا گیا۔ مسلمان جو پولیس اسٹیشن یا ڈپٹی کمشنر آفس میں پناہ لینے کے لیے جاتے تو ان کو آر۔ ایس۔ ایس کے بھیڑیوں کے حوالہ کر دیا جاتا۔

اس دوران پٹیالہ کے مہاراجہ نہ صرف ہتھیار ریاست جموں وکشمیر کی افواج کو دے رہے تھے بلکہ ایک بریگیڈ پٹیالہ ریاستی افواج کو بھی ریاست جموں وکشمیر میں بھیج دیں تاکہ جموں میں مسلمانوں کو ختم کیا جائے۔

ٹائمز آف لندن نے لکھا کہ ''جموں سے مسلمانوں کو ختم کرنے کی مہم کی مہاراجہ ہری سنگھ خود سربراہی کر رہے تھے۔جموں میں مسلمانوں کے قتل عام کی ہدایات اور نگرانی مہارانی تارا دیوی، گروست دیو اور گورنر جموں رام چوپڑہ مل کر کر رہے تھے۔شیخ عبداللہ آتش چنار کے صفحہ نمبر 331 میں لکھتے ہیں کہ ''یہ انسانیت کے خلاف سنگین ظلم تھا اور اس کی سربراہی مہاراجہ ہری سنگھ اور اس کا وزیر اعظم مہاجن کر رہے تھے''

جموں میں مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا۔اردو بازار کا نام بدل کر راجندر بازار اور اسلامیہ سکول کا نام ہری سنگھ سکول رکھ دیا۔

روزنامہ ٹیلی گراف لندن نے 12 جنوری 1948 کو لکھا کہ ''95 فیصد جائیدادیں جو مسلمان چھوڑ گئے عام طور پر ریاستی حکومت کے پاس جانی چاہیے تھی لیکن ریاستی حکومت نے ڈکیتوں اور roiters کو دے دیں''

جب ہندو مہاجرین مظفر آباد اور دیگر مقامات سے کشمیر پہنچے تو ان کو جموں بھیجنے کے لئے مقامی مسلمان ٹانگے والوں کو راضی کیا گیا۔22 ٹانگے کشمیر سے لیے گئے اور ان کے ساتھ کھنہ بل اور قاضی گنڈ سے کئی اور شامل ہو گئے۔واپسی پر تقریباً 90 ٹانگے والوں کو نگروٹہ کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔

جموں کے قتل عام پر 27 نومبر اور 25 دسمبر 1947 کو گاندھی نے کہا کہ ''جموں کے ہندوؤں اور سکھوں نے اور وہ جو باہر سے آئے تھے (راشٹریہ سیوک سنگھ، گورداسپور اور پٹیالہ) نے وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ان کی خواتین غائب کر دی گئی۔یہ اخبارات میں مکمل طور پر نہیں آیا۔مہاراجہ کشمیر ان تمام واقعات کا ذمہ دار ہے''۔مجموعہ کام مہاتما گاندھی والیم 90 صفحہ 115 اور 298 میں موجود ہے۔

جموں میں اس دوران سرکردہ راہنماؤں پنڈت کرشن دیو سیٹھی اور وید بھنس نے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی۔لیکن ان کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوسکیں۔1947 میں جموں میں جس طرح مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اس کی ایک مثال صرف ضلع جموں میں 1941 کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی آبادی 1,58,630 تھی جبکہ 1961 کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد 51,963 رہ گئی تھی۔

جموں میں قتل وغارت کا ہولناک سلسلہ پورے عروج تھا کہ ایک شخص نے اپنی تین بیٹیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''عزیز بیٹیو! ہم نے تمام اندوختہ تم پر صرف کیا۔اب معاملہ دگرگوں ہے۔ان وحشیوں اور درندوں سے تمہاری عصمت محفوظ نظر نہیں آتی۔میرا قطعی فیصلہ ہے کہ تمہیں ڈوگروں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کے بجائے اپنے ہاتھ سے موت کی نیند سلا دوں تاکہ کل کوئی تمہاری عصمت وعفت پر انگلی نہ اٹھا سکے۔''

بقول چوہدری غلام عباس خان تینوں لڑکیوں نے باپ کی خواہش کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا اور یکے بعد دیگرے تینوں اس کے ہاتھ سے ذبح ہوگئیں۔ اس شخص کا تیرہ سالہ لڑکا پاس کھڑا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے کپڑا اٹھایا اور اپنی معصوم بہنوں کے خون سے تر کیا۔ اس لہو سے اس نے دیوار پر لکھا۔

پاکستان زندہ آباد، قائد اعظم زندہ آباد 47۔

نومبر 1947 میں جموں میں مسلمانوں کے قتل عام کے حوالہ سے جموں سے ہجرت کر کے پاکستان اور آزاد کشمیر آنے والے چند افراد کا اظہار خیال کچھ یوں ہے۔

ملک عبدالرشید معروف کشمیری دانشور اور سابق سیکرٹری حکومت نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ''میں 22 سال کا تھا۔ جموں میں کئی دن تک ظلم وستم کا سلسلہ جاری رہا۔ مرد، عورتیں اور بچے انتہائی سفاکانہ طریقے سے قتل کیے جاتے تھے۔ میں نے اپنے والد، بھائیوں، بہنوں، بیوی اور ایک بیٹے کو کھو دیا۔ 04 نومبر کو ڈوگرہ فوج ریاسی میں داخل ہوئی۔ شہر کے دو معززین خواجہ ایمک اللہ اور چوہدری عزیز الدین ڈپٹی کمشنر ٹھاکر گوپندر سنگھ کو اس حملہ کے بارے میں بتانے گئے۔ ان دونوں کو ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں قتل کر دیا گیا۔ خواجہ علی محمد جو بھدرواہ کے تھے اور ریاسی میں بطور پبلک پراسیکیوٹر کام کر رہے تھے اپنی زندگی بچانے کے لیے تھانہ میں گئے۔ ڈیوٹی آفیسر نے ان کو آر۔ ایس۔ ایس کے لوگوں کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے اس پر بے پناہ تشدد کیا لیکن سفاکوں نے ان کی ایک ایک کر کے انگلیاں کاٹی اور کہا کہ ہم تمھاری انگلیاں پاکستان بھیج دیں گے اور ان کو عدالتوں کے قریب سفاکانہ طریقہ سے قتل کر دیا گیا۔ مہاراجہ ان قاتلوں کو اسلحہ فراہم کر رہا تھا۔ ہزاروں مسلمانوں نے تشدد اور سفاکانہ سلوک کو دیکھ کر خودکشی کر لی۔ ان قاتلوں نے چوہدری غلام عباس کی بیٹی کو بھی اغواء کر لیا۔ مستری احمد دین سکنہ مست گڑھ محلّہ جموں نے اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے کے لئے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا۔

ایک اور کشمیری دانشور جنہوں نے 1947 میں جموں سے ہجرت کی محمد خان نقشبندی نے بتایا کہ ''ان کی والدہ کو جب وہ پاکستان کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ شہید کر دیا گیا۔ ان کی تین بہنوں کو اغواء کر لیا گیا جن میں سے 02 بہنیں مل گئی لیکن ''ثریا'' ابھی تک نہیں ملی مجھے نہیں پتا کہ زندہ بھی ہے یا قتل کر دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ قتل عام منظّم تھا۔

عبدالقیوم قریشی جو محلّہ دال پتیاں جموں کے تھے کہ بتایا'' جموں میں مسلمانوں کا قتل عام کافی عرصہ سے شروع ہو چکا تھا لیکن 26 اکتوبر 1947 کے بعد اس میں تیزی آگئی اور مہاراجہ نے اپنی فوج کو حکم دیا تھا کہ جہاں بھی مسلمان ہیں ان کو قتل کر دیں۔ 05 نومبر کو جموں کے مسلمانوں کو کہا گیا کہ وہ پولیس لائنز جموں میں جمع ہو جائیں اور مجھے یاد ہے کہ 26 ٹرک اور بسیں پولیس گراؤنڈ میں موجود تھے۔ لوگوں کو کہا گیا کہ وہ گاڑیوں میں بیٹھیں تاکہ ان کو پاکستان پہنچایا جائے لیکن ان کو کٹھوعہ اور سانبہ کے جنگلات میں قتل کر دیا گیا۔ ظفر بٹ جو ہجرت کر

کے سیالکوٹ پہنچے نے بتایا کہ ڈوگرہ فوج نے نواں کوٹ میں ان کے تمام خاندان کو قتل کر دیا۔ خالد علی گجر کے مطابق اس کے دو بھائی اور ایک بہن کو رام پورہ جموں میں شہید کر دیا گیا۔حسین گجر جنہوں نے 1947 میں نواں کوٹ سے سیالکوٹ ہجرت کی نے بتایا کہ ''میری عمر اس وقت 18 سال تھی۔ایک رات ڈوگرہ فوج نے ہمارے گھر پر حملہ کر دیا میرے والدین، بہنوں اور دو چھوٹے بھائیوں کو قتل کر دیا گیا۔ میں اس رات گھر نہیں تھا صبح میں آیا تو دیکھا کہ سب شہید کر دیئے جا چکے تھےاور ہر طرف خون تھا۔مہاراجہ کی فوج نے سب کچھ لوٹ لیا۔

مسلمانان جموں کا قتل عام اقتباس از جسٹس یوسف صراف

پنجاب سے ملحقہ سرحدی دیہات میں مسلمانوں پر حملے شروع ہو چکے تھے اور 10 اکتوبر 1947ء تک تقریباً دو ہزار مسلمان ہجرت کر کے سیالکوٹ ضلع میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔سرحد کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا تھا تاکہ کوئی مسلمان پنجاب سے ریاست میں داخل نہ ہو سکے۔میاں افتخار الدین (جو اس وقت پنجاب میں وزیر بحالیات تھے) کی تجویز پر بریگیڈیئر کولیر (سیالکوٹ بریگیڈ) نے اپنے ہم رتبہ بریگیڈیئر راوت (جموں بریگیڈ) سے جموں کا دورہ کرنے کی اجازت طلب کی جو نہ دی گئی۔خود جموں شہر میں ہندوؤں کو فنون حرب سکھانے کے لئے دید مندر، رگھناتھ مندر، تالاب رانی، پکا ڈنگا، گوردوارہ پکی ڈھکی میں مراکز قائم کیے گئے جن کی نگرانی ریٹائرڈ فوجی افسر کرتے تھے۔

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہندوؤں میں کچھ خدا ترس افراد بھی تھے مثلاً بانکے بہاری، نندلال پاوا، چھترو داس اور ڈاکٹر سیٹھی جنہوں نے اپنے دوستوں، جن میں ڈاکٹر عبدالکریم اور اللہ دتہ بھی شامل ہیں آنے، والے خطرناک حالات سے باخبر کر دیا تھا۔تمام سابقہ ہندو فوجیوں اور تربیت یافتہ افراد کو ایک ایک 303 رائفل اور پچاس پچاس کارتوس دیئے گئے تھے۔

پاکستان سے ملحقہ سرحد بند کر دی گئی اور قتل وغارت کا آغاز سانبہ اور کٹھوعہ سے کیا گیا۔

طریقہ واردات ہر جگہ ایک ہی جیسا تھا جس سے اس کی مرکزیت کا پتہ چلتا ہے۔سرحدی دیہات کو ایک ایک کر کے گھیر لیا جاتا اور فائیر کھول دیا جاتا کہ مکین ہراساں ہو کر جموں شہر کی طرف بھاگیں۔حملوں کا مقصد نوجوانوں کو قتل کرنا عورتوں کو اغوا اور مال لوٹنا ہوتا۔جموں کی طرف بھاگنے والوں کو راستہ میں جگہ جگہ مارا اور لوٹا جاتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ قتل کا آغاز موضع دیوا سے جہاں ڈوگروں کی بھاری اکثریت تھی، راجہ ہری سنگھ نے خود کیا۔ڈاکٹر عبدالکریم ملک اپنی یاداشت بیان کرتے ہیں!'' دیوا بٹالہ میں جہاں ڈوگرے اکثریت میں تھے، راجہ ہری سنگھ نے چند مسلمانوں کو گولی مار کر شہید کر کے قتل عام کی مہم کا آغاز کیا۔

میرے ایک متحدہ دوست اکبر علی حیدری نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ وہ اور وزیر علی مصری والا پل کے قریب سڑک سے کچھ فاصلہ پر گھنی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے کہ کچھ جیپ گاڑیاں پل کے نزدیک پہنچیں۔مخالف سمت سے تین گوجر جن میں سے دو بالکل نوعمر، تھے آ

رہے تھے۔گاڑیاں کھڑی ہوگئیں اورایک جیپ سے راجہ ہری سنگھ سفید سوٹ پہنے ہوئے اترااور پرٹھا کرچھلیل سنگھ اورفقیر سنگھ بھی اترے۔ ہری سنگھ نے اپناریوالورنکالا اور گوجروں پر فائر کیے۔دوتو وہیں گر گئے۔تیسرا الٹے پاؤں بھاگا لیکن اس کی پیٹھ میں گولی لگی اور وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔اس کے بعد یہ پارٹی بٹالہ کی طرف روانہ ہوگئی۔جموں شہرکو جانے والے راستے اور پگ ڈنڈیاں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔عجب ہولناک منظرتھا۔ڈاکٹرعبدالکریم کوکسی نے بتایا کہ دریائے توی پرپیرکھوہ کے قریب اس نے دیکھا کہ ایک عورت کی برہنہ لاش ریت پر پڑی ہےاوراس کا شیرخوار بچہ مردہ ماہ کے پستان سے دودھ پینے کی کوشش کررہا ہے۔ڈاکٹرعبدالکریم کے بیان کے مطابق محلّہ استادغوث محمد خان اوراس سے ملحقہ آبادیاں کرنل پیرمحمد (جومسلم کانفرنس میں عہدہ دار تھےاور بعد میں عبداللہ گورنمنٹ میں وزیر بنے) کی حسن تدبیر سے غار تگری سے بچ گئیں۔

ڈوگرہ فوجیوں اور پٹیالہ کی پلٹیوں نے اپنی چوکیاں ریزیڈینسی روڈ،تحصیل بلڈنگ ڈھکی قبرستان،اردو بازار لاہوروساہ کے مکان اور میاں پنجاب سنگھ کے مکان محلّہ مست گڑھ میں قائم کررکھی تھیں۔جومسلمان بھولے سے بھی کیمپ سے نکل جاتا مارا جاتا۔روزبروزمسلم علاقہ کےگردگھیرا تنگ کیاجارہاتھاجس کی وجہ سے سخت خوف وہراس کی فضا پیدا ہوگئی۔

کیمپ میں کپتان نصیرالدین اور چوہدری محمد شریف (بیلچہ فیکٹری والا) بھی تھے۔جن کی حسن تدبیر سے جس قدر بھی ان حالات میں ممکن ہوسکتی تھی،مدافعت ہورہی تھی۔کیمپ میں چندایک بار بندوقیں،کچھ لائسنسی اور کچھ بے لائسنس رائفلیں،شب برات کوداغنے والی توپیں، نیزے اورکہلاڑیاں تھیں،جنھیں جوانوں کے مختلف گروپوں میں تقسیم کردیا گیا۔جن کی قیادت محمدامین،محمد حبیب پسران،چوہدری فیروز الدین سلہریاڈی،ایف،اوعبدالغفورولدفیض لوہار،طفیل احمدعرف چمٹا،مشتاق شاہ،عبدالمجید برادرڈاکٹرعبدالکریم،فضل الرحمٰن،اعجاز بٹ، غازی عبدالحمید،فیضی پہلوان،محمد دین ولدشرف دین،غلام رسول بٹ،معراج دین،سلیم خان،عمراخان وغیرہ کررہے تھے۔

راشن مہیا کرنے کا کام شیخ جان محمد کے بیٹوں کے سپردتھا جوخوداپنی دکان اور دیگراردو بازار میں واقع دکانوں سے سامان خوردونوش لاکر دے رہے تھے۔یکم یادوئم نومبرکوفوج نے بابوعبدالحمیداووَرسیئر کے مکان میں قائم کردہ کیمپ پرحملہ کیا جہاں تین سوپناہ گزین تھے۔ان میں سے صرف ایک گوجرزندہ بچا جس کے شانے میں گولی لگی تھی۔چندروز کے اندرمحلّہ دلپتیاں،مست گڑھ،تالاب کھٹیکان،بازارقصاباں مسلمانوں سے خالی ہوگئے۔سرداراکرم خان کا مکان جہاں کئی زخمی لوگوں،عورتوں اور بچوں نے پناہ لے رکھی تھی دشمن کے قبضہ میں چلاگیا اورسب مکین قتل ہوگئے۔14اکتوبرکوراشٹریہ سیوک سنگھ اورا کالی جتھوں نے عمرے چک،آتماپوراورکوچپورہ کے دیہات پرحملہ کیا جوتھانہ بشناہ ضلع جموں کی حدود میں واقع ہیں۔کچھ مسلمانوں کوقتل کرنے اورلوٹ مارکرنے کے بعدمکانوں کوآگ لگادی۔میاں سیدعلی ڈسٹرکٹ انسپکٹرپولیس جوکہ دیانت اور بہادری کے لئے مشہورتھااس وقت اس علاقہ میں تھا۔اس نے 30ہندولٹیروں کوگرفتارکرلیا اوراشیائے

مسروقہ جو گھوڑوں اور اونٹوں پر لدی تھیں، قبضہ میں لے لیں۔ 16 اکتوبر کی رات بشناہ تھانہ ہی میں بسر کی جہاں رات بھر اسے غوغا اور آہ وزاری کی آوازیں مختلف اطراف سے سنائی دیتی رہیں جو جن سنگھیوں کے حملوں کے نتیجہ میں تھیں۔ بعض مسلمان تابندھر کی جانب سے پولیس سٹیشن میں پناہ لینے کی غرض سے آ گئے۔

اس سے اگلے روز پنڈت کیلاش ناتھ بھا کڑی اے۔ ایس۔ پی کانسٹیبلوں کی نفری کیساتھ وہاں پہنچا۔ محکمہ کا فوٹو گرافر چتر ورام بھی اس کے ہمراہ تھا۔ وہ کسی اگلی سرحدی چوکی جا رہا تھا جہاں سے پاکستانیوں اور آر۔ ایس۔ ایس کے درمیان جھڑپ کی خبر آئی تھی، اس نے میاں سید علی کو بھی ساتھ لے لیا۔ انہوں نے راستہ میں کئی دیہات سے دھوئیں کے بادل اٹھتے دیکھے جو جن سنگھیوں اور اکالیوں نے نذر آتش کر دیئے تھے۔ میاں سید علی جموں واپس آ کر انسپکٹر جنرل پولیس کو واقعات سے مطلع کیا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے اردلی سید محمد نے بعد میں بتایا کہ جن مسلمانوں نے تھانہ میں پناہ لی تھی سب کے سب شہید کر دیئے گئے۔ 19 اکتوبر کو ہندوؤں نے محلّہ استاد پر حملہ کیا (اسی روز قصبہ مناور پر بھی حملہ کیا گیا جو جموں صوبہ کے مغربی حصہ میں ہے)

ہندوؤں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ پاکستان زندہ باد۔ اسلام زندہ باد اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے آتے۔ اس سے بعض لوگ دھوکہ میں آ گئے اور سمجھے کہ قرب و جوار کے دیہات سے مسلمان پناہ کی غرج سے آ رہے ہیں اور بغرض استقبال باہر آ گئے جن میں کچھ شہید اور کچھ زخمی ہو گئے۔ اس روز راجہ ہری سنگھ جموں میں ہی تھا۔ اس واقعہ کے بعد اوپر کے محلوں سے مسلمان اردو بازار اور بازار قصاباں کی طرف نقل مکانی کر کے آنے لگے کیونکہ وہ اس علاقہ کو محفوظ تصور کرتے تھے۔

19 اکتوبر کے بعد سے جن سنگھی، اکالی جتھے ڈوگرہ سپاہیوں کی ہمراہی میں کٹھوعہ اور جموں میں بڑے پیمانے پر غارت گری کرنے لگے۔ طریقہ واردات ہر جگہ ایک ہی تھا۔ مسلمانوں کو کہا جاتا کہ گھروں سے نکل آئیں اور پاکستان کی راہ لیں۔ باہر آنے کے بعد ان پر حملہ کر دیا جاتا اور پھر وہی لوٹ مار قتل عام اور اغوا۔

20 اکتوبر 1947ء کو قصبہ اکھنور اور مضافات کے تقریباً تین ہزار مسلمانوں کو جبراً پاکستان چلے جانے کو کہا گیا۔ چنانچہ جب وہ قصبہ کے ایک علاقہ میں جمع ہوئے تو انہیں دریائے چناب کے پل پر لایا گیا، جہاں ڈوگرہ سپاہیوں نے ان پر دھاوا بول دیا اور ایک کثیر تعداد کو قتل کر دیا۔ اس قدر خون بہا کر پل پر سے بہہ نکلا۔

23 اکتوبر کو ڈوگرہ سپاہیوں اور جن سنگھیوں نے موضع میراں صاحب میں جمع کئی ہزار مسلمانوں کے مجمع پر فائر کھول دیا اور ہزاروں کو شہید کر دیا۔ اس سے قبل راجپورہ کے مقام پر جو جموں اور کٹھوعہ کے درمیاں واقع ہے، راجپوتوں کے مسلح گروپوں کا اجتماع ہوا جو مہاراجہ کے استقبال کے لئے آتے تھے۔ مہاراجہ کے اس دورہ کا مقصد مسلمانوں کے قتل عام کے انتظامات کی نگرانی اور مشاہدہ تھا۔ نیز ہتھیاروں اور

گولہ بارود کی تقسیم بھی عمل میں آ ناتھی ۔اس دورہ میں ریاست کا وزیر اعظم مسٹر جسٹس مہر چند مہاجن بھی مہاراجہ کے ہمراہ تھا۔

محکمہ انصاف کے ایک ادنیٰ رکن کی حیثیت سے میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ جسٹس مہاجن کی قابلیت کا شخص اس مجرمانہ کارروائی میں شریک ہو۔اس منتظر جم غفیر میں مسلح افراد تین قطاروں میں کھڑے تھے۔صف اول میں آتشیں اسلحہ سے لیس لوگ تھے۔پچھلی دو صفیں دیگر ہتھیاروں سے مسلح غنڈوں کی تھیں۔موقع پر موجود اہلکاروں میں ایک اے۔ایس۔پی، اسسٹنٹ انجینئر، ٹیلی گراف سپر وائیزر اور ایس۔ڈی۔ایم تھے، جونیئر عہدہ کے فوجی افسران کے علاوہ تھے۔مہاراجہ کی آمد سے قبل مسلمانوں کا ایک قافلہ کٹھوعہ کے اندرونی علاقہ سے ہجرت کر کے آ رہا تھا اور پاکستانی سرحد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ڈوگرہ فوج نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اس راستہ سے ہو کر گزریں جہاں مسلح ٹولے جمع تھے۔پھر ایک فوجی افسر نے حکم دیا کہ ان کو پاکستان بھیج دو۔اس کے ساتھ ہی مہاراجہ بہادر کی جے پکارتے ہوئے فوجی اور ہندو غنڈے قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔معدودے چند ہی جان بچا کر بھاگ سکے۔اگلے دن مہاراجہ اور پرائم منسٹر اس قصبہ میں آئے اور قاتلوں کو ان کی کارگزاری پر مبارکباد دی۔ضلع کٹھوعہ سے تقریباً بارہ ہزار مسلمانوں پر مشتمل ایک قافلہ پاکستانی سرحد سے دو میل ادھر موضع کیسالی کے قریب گھیر کر ڈوگرہ فوجی اور جن سنگھیوں نے باڑہ پر دھر لیا۔موضع بنڈور کے دو ہزار مسلمانوں کے قافلہ پر پاکستانی سرحد سے تین میل ادھر چھتی کھوئی کے مقام پر حملہ کیا گیا۔چھتی رودون سے سات ہزار افراد پر مشتمل قافلہ پاکستان کی طرف ہجرت کر رہا تھا کہ ہیرانگر کے مقام پر اس پر حملہ ہوا۔موضع کوہاڑہ سے پانچ سو مسلمان ہجرت کے لیے نکلے جن میں سے صرف چند اشخاص ہی پاکستان پہنچ سکے۔بدھل اور تولا مولا کے تین ہزار افراد کا قافلہ نکلا تھا جس پر ماہی چک کے قریب حملہ ہوا۔

چھ ہزار مسلمانوں کا قافلہ نگری، رواب اور چٹھا دیہات سے روانہ ہوا جس پر کھکھیار کے مقام پر حملہ ہوا سلنی، کنڈی اور ہیرانگر کے مسلمان ہیرانگر میں جمع ہوئے اور قافلہ کی شکل میں پاکستان کے لیے روانہ ہوئے لیکن تھوڑے ہی فاصلہ پر ڈوگرہ فوجیوں نے روک لیا اور کہا کہ اگر وہ نقدی اور زیورات ہمارے حوالہ کر دیں تو انہیں بحفاظت پاکستان پہنچا دیا جائے گا۔چنانچہ زر کثیر کے عوض قافلہ کو آگے بڑھنے دیا گیا۔حفاظت کے لیے ایک دستہ بھی ساتھ ہو گیا۔جب یہ قافلہ چھتی کھوئی پہنچا تو ایک سپاہی نے گولی چلا دی اور معاً سنگھی جو پہلے سے گھات میں بیٹھے اشارے کے منتظر تھے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر حملہ آور ہوئے ان میں سے ایک کے پاس برین گن تھی۔دو ہزار مسلمانوں کا قافلہ راجپورہ اور لگو وال سے چلا راستہ میں اس پر بھی حملہ ہوا۔سانبہ میں قصبہ اور مضافات کے دس ہزار مسلمان پاکستان جانے کے لیے جمع ہوئے۔ان میں سے متعدد مردوں کو تالاب پر مدعو کیا گیا تاکہ امن کمیٹی بنائی جائے لیکن وہاں انہیں مسلح افراد نے گھیر لیا اور ان کے گھروں سے ان کی غیر موجودگی میں ان کی لڑکیاں اغوا کر لیں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ صوبہ کے مختلف علاقوں بالخصوص اودھم پور ریاسی جموں اور کٹھوعہ سے ہزاروں عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ایک

اندازے کے مطابق پچیس ہزار عورتیں اغوا ہوئیں۔ گو یہ تعداد کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ مغویہ لڑکیوں میں چوہدری حمید اللہ خان کی نابالغ بیٹی بھی تھی جس کا آج تک سراغ نہیں ملا۔ ان اغوا شدہ عورتوں کے ساتھ جو سلوک ہوا اس کا اندازہ ایک مغویہ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے۔

''میری شادی گزشتہ ماہ ہاڑ میں مسمی سلطان علی سے ہوئی۔ پانچ یا چھ دن میرے میکے میں ٹھہرنے کے بعد میرا خاوند اپنے گاؤں نکیا اکالیاں تحصیل اکھنوں چلا گیا۔ میری شادی کے تقریباً چھ ماہ بعد عید الاضحیٰ (20 اکتوبر 1947) سے چند روز قبل ڈوگرہ سپاہیوں اور چب راجپوتوں نے جو رائفلوں نیزوں اور تلواروں سے مسلح تھے، ہمارے گاؤں پر حملہ کیا اور چھ سو مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا۔ تاہم کچھ لوگ بچ کر پاکستان جانے میں کامیاب ہو گئے۔ میرے والدین اور بھائی سب مارے گئے۔ میرے چچا اور بہن مسماۃ رحمت دختر بگا کو اور مجھے پکڑ کر موضع چھمب لے جایا گیا اور مہر دن لوہار کے گھر بند کر دیا گیا۔ جہاں اٹھارہ دیگر لڑکیاں بھی رکھی گئی تھیں۔ مکان پر فوجی پہرہ تھا اور مہر دین کو تاکید تھی کہ کسی لڑکی کو باہر نہ نکلنے دیا جائے ورنہ اسے اور اس کے پورے کنبہ کو ختم کر دیا جائے گا۔ اسے یہ یقین دلایا تھا کہ لڑکیوں کے خورد و نوش کے اخراجات اسے سرکاری خزانہ سے ادا کر دیئے جائیں گے۔

مہر دین کی ایک جوان بیٹی تھی جس کا نام عائشہ تھا۔ اس کی عفت اور اہل خانہ کی زندگیاں بچانے کے لیے وہ ڈوگروں کی بڑی آؤ بھگت کر رہا تھا۔ ہماری وہاں نظر بندی کو آٹھ روز ہوئے تھے کہ رات کو ایک ڈوگرہ صوبیدار بنام امرو بیس سپاہیوں کے ہمراہ وہاں آیا۔ رات چاندنی تھی۔ ہم سب لڑکیوں کو باہر لایا گیا اور سپاہیوں سے کہا گیا کہ ایک ایک لڑکی چن لیں مجھے گیان نامی ڈوگرے نے پکڑ لیا مہر دین خاموش تماشائی کی حیثیت سے یہ تقسیم دیکھتا رہا اور اپنی بیٹی کی عفت اور کنبے کی زندگی کی خاطر ایک لفظ نہ بولا۔

گیان نے میرے ساتھ زبردستی کی اور مجھے بائیس روز تک اپنے گھر میں رکھا اگر میں اس کی شیطانی خواہش پوری کرنے سے انکار کرتی تو مجھے سخت زدوکوب کیا جاتا۔ گیان کی ایک ماں اور چھ بھائی تھے جن میں سے دیارام کی بیوی میری نگرانی کرتی۔ ہر صبح گیان اور اس کے بھائی جتھے کے ساتھ مسلمانوں کے قتل کی خاطر نکل جاتے اور شام کو لوٹی ہوئی اشیاء مثلاً زیورات، پارچات، برتنوں سے لدے گھر لوٹتے ، گیان مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے دن بھر کی اپنی کرتوتوں کی داستان سناتا۔ وہ ڈینگ مارتے کہ انہوں نے موضعات متیا نوالہ، دھوتا اور نجان (پاکستان) پر بھی حملے کیے ہیں۔ پہلے دو روز میں گیان کے گھر کچھ نہیں کھایا پیا۔ پھر اس کی مار پیٹ کے ڈر سے کھانے لگی۔

گیان مجھے ہندو دھرم اختیار کرنے لیے دھمکاتا رہا لیکن میں نے ہمیشہ انکار ہی کیا۔

روٹی میرے ہاتھوں پر رکھ دی جاتی اور پانی چلو سے پلایا جاتا۔ گیان اور اس کے دو بھائیوں مسمیان دیارام اور منشی کے پاس بندوقیں تھیں۔ باقی تینوں کے پاس برچھیاں تھیں۔

میری اس نظر بندی کے ایک ماہ بعد پٹھانوں نے دیوا بٹالہ پر حملہ کیا جس کے باعث چھمب کے باسی جوڑیاں میں اور اگلے روز اکھنور

میں نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔ تین روز ٹھہر کر ہم نے اکھنور کا پل عبور کیا۔ شہر کے باہر چار دن رکے۔ مہر دین اور اس کا کنبہ بھی وہیں تھا۔ بیس لڑکیوں کو ملنے کی اجازت نہ تھی تاہم مجھے اپنی چچازاد رحمت کبھی کبھی نظر آجاتی تھی۔ پھر ہم جموں چلے گئے جہاں اکثر دیہات کے لوگوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ چار دن بعد پناہ گزینوں کو اپنے اپنے گاؤں واپس جانے کا حکم ملا۔ چھمب کے رہنے والوں نے میرن اور پانی توت کا راستہ اختیار کیا۔ ہر دو مقامات پر چار چار دن ٹھہرنے کے بعد ہم سرکم پور پہنچے جہاں تین ماہ رہے۔ گیان اور اس کے بھائیوں نے باہمی مشورہ کے بعد طے کیا کہ چھمب کا قیام محفوظ نہیں لہذا عارضی طور پر کسی بڑے گاؤں قیام کیا جائے۔

22 اکتوبر کو رسوائے زمانہ قلعہ باہو کے نواح میں مسلمانوں کے بھاری تعداد بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ ان پر فوج نے گولی چلائی اور چند اشخاص مارے گئے۔ جو لوگ شہر پہنچے وہ سیدھے میاں عبدالرشید ایس۔ ایس۔ پی کے پاس گئے اور درخواست کی کہ ہمارا گھیرا ہو رہا ہے اس سے تحفظ مہیا کیا جائے۔ انہوں نے راجہ صحبت علی خان سب انسپکٹر کو امداد کے لیے مقرر کیا، لیکن جونہی راجہ صحبت علی موقع پر پہنچا اس پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی جس سے وہ گر پڑا اور فوت ہوگیا۔ اس کی وردی اتار لی گئی اور اس کی تین انگلیاں جن میں سونے کی انگشتریاں تھیں ،کاٹ لی گئیں۔ میاں سید علی انسپکٹر نے بڑی دقت سے لاش حاصل کی۔

23 اکتوبر کا ٹھاکر نتھا سنگھ سب انسپکٹر کو سنگھیوں نے محض اس لیے گولی ماردی کہ اس نے اپنے دوست صحبت علی کے اور دیگر بے خطا مسلمانون کے قتل کی برملا مذمت کی تھی۔ اس تاریخ کو میاں عبدالرشید کو گرفتار کر لیا گیا۔

بقرعید 25 اکتوبر کو ہوئی۔ عید کی صبح مستری عطا محمد سکنہ محلّہ مست گرھ نے اس اندیشہ سے کہ غنڈے اس کی تین بیٹیوں کو جن کی عمریں علی الترتیب 15,19 اور 14 برس تھیں۔ اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا۔ مستری کے چھوٹے بیٹے نے ایک دھجی خون میں تر کر کے اس سے گھر کی دیواروں پر پاکستان زندہ باد لکھ دیا۔ دریں اثنا پولیس کے مسلم ملازمین کو غیر مسلح کر دیا گیا اور افسران سید سلطان علی شاہ، شیخ فضل عالم، میاں سید علی اور درانی کو پولیس لائینز میں نظر بند کر دیا گیا۔

بابا جیون شاہ کے مزار پر جن کے عقیدت مندوں میں ہندو اور سکھ بھی تھے دوسو مردوں اور عورتوں نے پناہ لے رکھی تھی جن پر حملہ کر کے مردوں کو قتل اور عورتوں کو اغوا کر لیا گیا۔ 28 اکتوبر کو مہاراجہ کی طرف سے اعلانیہ جاری کیا گیا کہ مسلمان فوری طور پر اپنے ہتھیار جمع کرا دیں ۔اس پر مسلم اکابرین نے ایک میٹنگ میں ریزولیوشن پاس کیا جس میں مہاراجہ سے وفاداری کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود وقفہ وقفہ سے گولیاں چلتی رہیں۔

30 اکتوبر کو محمد یحیٰ قریشی ایس۔ پی میرپور کو ہٹا کر سردار سنگھ کو اور شیخ محمد سلیم ایس۔ پی۔ اودھم پور کی جگہ سنت پنڈی داس کو مقرر کر دیا گیا ۔اس طرح جموں صوبہ کے پانچ اضلاع میں کسی ایک مسلمان افسر کو اپنی پوسٹ پر نہ رہنے دیا گیا۔

03 نومبر کو پٹیالہ سے مزید فوجی کمک بھی آ گئی۔

04 نومبر کو مہاراجہ پٹیالہ، سردار بلا یو سنگھ وزیر دفاع اور سردار پٹیل جموں آئے اور مہاراجہ سے طویل مشورے کیے۔

05 نومبر کو مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ فوری طور پر پولیس لائن پہنچ جائیں تاکہ انہیں پاکستان بھیجا جا سکے۔ چنانچہ چند گھنٹوں میں پولیس گراؤنڈ میں ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ 12 بجے دوپہر چھتیس ٹرک لائے گئے گھبرائے ہوئے لوگ جلدی جلدی دھکا پیل کرتے سوار ہو گئے۔ محتاط اندازے کے مطابق ہر ٹرک میں پچاس تا ساٹھ شخص سوار ہوئے ہوں گے۔ ان کے ساتھ کیا ہوا، سانبہ ہائی سکول کے سکینڈ ماسٹر کی زبانی سنیے۔

''ان میں میرے معمر والدین، تین بھائی، دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ دن کے دو بجے ٹرک روانہ ہوئے۔ ستواری چھاؤنی میں ہم نے دیکھا کہ سڑک کے دونوں طرف مسلح ہندو اور سکھ تیار کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر مسلمان فکرمند ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب وہ محفوظ نہیں ہیں۔ بعض نوجوانوں سے بھاگنے کے لیے ٹرک سے چھلانگیں لگائیں، لیکن وہ کہاں جا سکتے تھے۔ سب قتل ہو گئے۔ ٹرک ڈرائیوروں نے رخ کٹھوعہ روڈ کی طرف موڑا اور رفتار تیز کر دی۔ اس سے ہماری پریشانی اور بڑھ گئی۔ ہم نے دیکھا کہ ڈوگرہ فوجیوں کی جیپیں بھی آگے پیچھے جا رہی ہیں۔ ہم نے ڈرائیوروں سے پوچھا کہ ہمیں کدھر لے جا رہے ہو۔ پاکستان جانے کا راستہ تو دوسرا ہے انہوں نے جواباً کہا کہ وہ راستہ بند ہو گیا ہے۔ اس لیے متبادل راستہ سے جا رہے ہیں اور یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر مارنا ہی مقصود ہوتا تو ستواری چھاؤنی میں جتھے موجود تھے''۔ مسافروں کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ خوف کے مارے بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ دریں اثناء چار پانچ ٹرک انجن کی خرابی یا پٹرول ختم ہونے کے بہانے روک لیے گئے۔ ان میں سوار لوگوں میں سے مجھے پھر کوئی نہیں ملا۔

نماز مغرب کے وقت چار ٹرک سانبہ شہر کے قریب روک لئے گئے۔ ہم جونہی اترے ہمیں گھیر کر ایک میدان کی طرف لے جایا گیا اور بیٹھ جانے کو کہا گیا۔ عورتوں اور مردوں کو علیحدہ کر دیا گیا۔ اس میدان کی دو جانب ایک پہاڑی تھی۔ تیسری جانب ٹرک کھڑے تھے۔ چوتھی طرف فوجیوں نے مشین گن لگا رکھی تھی، لہذا نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

حملہ آور چھ یا سات ٹولیوں میں منقسم تھے جن کے پاس رائفلیں، بندوقیں، تلواریں اور برچھیاں تھیں۔ جو نقدی، زیورات اور دیگر اشیاء چھین رہے تھے وہ اچھوت تھے۔ ایک گروہ عورتوں کو قابو کر رہا تھا۔ کچھ افسر تھے جو انہیں احکام دے رہے تھے۔ یہ شیطانی انتظامات ایسے مکمل تھے جس سے یقین ہوتا تھا کہ غنڈوں کی کافی عرصہ تربیت کی گئی ہے۔

''مظلومین کو چھ چھ کی ٹولی میں ایک طرف لے جا کر قتل کیا جا رہا تھا۔ میں نے جوتے اتارے اور بھاگ کھڑا ہوا۔ مجھ پر گولی چلائی گئی لیکن بچ گیا لیکن میرے دیگر لواحقین کا پھر کچھ اتا پتہ نہ ملا۔

جولوگ بچ کر پاکستان پہنچے انہوں نے بتایا کہ شیر خوار بچوں کو ماؤں کی گود میں ہی یہ کہہ کہہ کر قتل کر ڈالا۔ یہ لو اپنا پاکستان، بعض لوگوں کے کپڑے یہ کہہ کر اتروالیے کہ یہ مہاراجہ کی ملکیت ہیں۔ بقیہ ٹرک موضع ماوا کے پاس روک لئے گئے جو پاکستانی سرحد سے قریب ہے۔ یہاں بھی وہی المیہ دہرایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ صرف نوسوافراد پاکستان پہنچے۔ ان میں چوہدری غلام مصطفیٰ (جوڑیاں والا) ایم۔ ایل۔ اے بھی تھا۔ جس کی بیوی، بیٹا اور ہمشیرہ مارے گئے۔ اسی قافلہ سے چوہدری غلام عباس کی بیٹی اغوا ہوئی تھی جسے کئی برس بعد شیخ محمد عبداللہ کی ذاتی مساعی سے برآمد کرلیا گیا۔

جب سنگھیوں نے عورتوں کی پکڑ گھسیٹ شروع کی تو مسلمانوں نے حتی الوسع مدافعت کی کوشش کی، لیکن بالکل نہتا ہونے کے باعث غیر مئوثر ثابت ہوئی۔ حوالدار عبداللہ کی نو بیاہتا بیوی کا ایک بازو ایک سکھ کھینچ رہا تھا۔ دوسرا عبداللہ نے پکڑ رکھا تھا کہ دوسرے سنگھی نے تلوار کے وار سے اس کا بازو کاٹا۔ دوسرا وار اس کی گردن پر ہوا اور وہ شہید ہو گیا۔ اتنے میں اندھیرا ہو گیا جس کے باعث بعض لوگوں کو اس مقتل سے بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا۔ انہیں راستہ میں ایک پرانا اینٹوں کا بھٹہ نظر آیا جس میں وہ چھپ گئے۔ ان کا تعاقب کرنے والے کچھ تاریکی اور کچھ لوٹ کے مال میں حصہ کے لئے واپس چلے گئے۔ مگر وم پناہ کے متلاشیوں کو پاکستانی علاقہ سے آواز اذان آئی تو ان کی جان میں جان آئی۔ یہ ظفروال کا علاقہ تھا جہاں کے مسلمانوں نے ان مہاجروں کو خوراک اور رہائش کی سہولیات مہیا کی۔ پولیس لائن جموں میں جمع مسلمانوں کو قطعاً خبر نہ ہوئی کہ اس سے پہلے قافلہ کا کیا حشر ہوا چنانچہ 06 نومبر کو پچیس لاریوں اور ٹرکوں پر مشتمل دوسرا قافلہ بظاہر پاکستان کے لئے روانہ ہوا۔ اس میں زیادہ تر تعلیم یافتہ اور متعدد گزیٹڈ آفیسر شامل تھے۔ اس مرتبہ ٹرکوں کا رخ رنبیر نہر کی جانب کر دیا گیا اور شہر سے تھوڑے ہی فاصلہ پر نہر کے کنارے رک گئے۔ جہاں مسلح ڈوگرے پہلے سے گھات میں تھے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے ہی سے منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ کئی لوگ مارے گئے۔ بعض عورتیں بھی اغوا کر لی گئیں، لیکن زیادہ تر لوگ زخمی ہوئے۔ جو بچ نکلے وہ واپس کیمپ میں آ گئے، جو جائے واردات سے زیادہ دور نہ تھا ان میں ڈاکٹر عبدالکریم بھی تھے جو ذیل میں چشم دید واقعات بیان کرتے ہیں کہ بدنصیب قافلہ پر کیا گزری۔

’’اگلے روز یعنی 06 نومبر کو پچیس لاریاں پولیس لائن لائی گئیں جو پاکستان دارالامان جانے کے ئے بے تاب مسلمانوں سے فوراً بھر گئیں حتیٰ کہ لوگ چھتوں پر بھی جا بیٹھے مجھے اور میرے خاندان کے دیگر افراد کو بھی ایک بس میں جگہ مل گئی۔ اس مرتبہ ہر ایک بس کے ساتھ ایک ایک سٹین گن سے مسلح فوجی مقرر کرنے کے بجائے قافلہ کے آگے اور پیچھے فوجیوں کی جیپ گاڑیاں تھیں۔ سوچیت گڑھ بارڈر کی طرف جانے کی بجائے انہوں نے سانبہ کا راستہ اختیار کیا ستواری چھاؤنی سے کچھ ہی آگے نہر کے کنارے کنارے لاریاں کھڑی کر دی گئیں۔ دریافت کرنے پر ایک فوجی نے جواباً کہا کہ سوچیت گڑھ روڈ بند ہونے کی وجہ سے سانبہ کٹھوعہ روڈ سے ہو کر پاکستان لے جائیں گے۔ جب

کہا گیا پھر یہاں ٹھہرنے کا کیا جواز ہے تو بتایا گیا کہ یہ راستہ بھی غیر محفوظ ہے اور اسے صاف کر رہے ہیں۔

اتنے میں دیکھا کہ بڑی تعداد میں ہندو جو بندوقوں، تلواروں، کلہاڑیوں اور برچھیوں سے مسلح ہیں، تیزی سے قافلہ کی جانب بڑھتے آ رہے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا تھا کہ قافلہ کو اس لئے روکا گیا تھا کہ پروگرام کے مطابق حملہ کے انتظامات مکمل ہو جائیں۔ قافلہ پھر روانہ ہوا اور کوڑھی ہسپتال کے قریب لے جایا گیا جہاں اسے فوراً مسلح غنڈوں نے گھیر لیا۔ غالباً یہ اس لئے کیا گیا کہ پہلے قافلہ کی طرح کچھ لوگ بچ کر نہ نکل جائیں۔

رائفلوں سے کچھ فائر کیے گئے یہ جتانے کیلئے مسلح جتھوں کو ہٹا رہے ہیں۔ درحقیقت یہ حملہ شروع کرنے کا سگنل تھا۔ لاریاں اور ٹرک گھیرے میں تو تھے ہی۔ فوجی جوان حملے کی نگرانی کرنے لگے۔ وہ جہاں کہیں مدافعت دیکھتے گولی چلا دیتے۔ یہ بڑا منصوبہ بند حملہ تھا۔ نیزہ بردار لاریوں کی کھڑکیوں میں نیزے مارتے تلوار بند لاری کے پیچھے اور دروازے کے پاس رہتے جو کوئی باہر نکلنے کی کوشش کرتا ایک دم تلواریں اس پر پڑتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سامان اور قیمتی اشیاء چھینی اور لوٹی جا رہی تھیں۔ اس جگہ پر میرے خاندان کے چھبیس افراد شہید ہوئے۔ میرے دو بھائی تو قتل ہوئے۔ بعض اقربا شدید زخمی حالت میں پڑے تھے۔ وہ تھوڑی دیر میں وفات پا گئے۔ میری دختر نعیمہ اغوا کر لی گئی۔ خود مجھے گیارہ زخم آئے۔ سر اور گردن پر گہرے زخموں کے باعث میں بیہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو شام ہو چکی تھی۔ میری بیوی کو زخم آئے لیکن زیادہ گہرے نہ تھے۔ جب میری بیٹی کو ایک سکھ گھسیٹ رہا تھا تو میری بیوی اور میرے چھوٹے بیٹے امتنان اسے چھڑانے لگے۔ ایسا کرنے سے اس کے سر گردن اور دائیں ہاتھ پر تلوار کے زخم لگے۔ بظاہر تو وہ ختم ہی چکا تھا لیکن خوش قسمتی سے بچ گیا۔ ہر طرف لاشیں اور زخمی بکھرے پڑے تھے۔ میرا چھوٹا بھائی عبدالمجید اور بڑا بیٹا جو کالج میں پڑھتا تھا، ایک روز قبل یعنی 05 نومبر کو شہید ہو چکے تھے۔ بقیہ افراد خاندان 06 تاریخ کو مارے گئے۔ میں نے اپنے چچا عبدالسبحان کو دیکھا جو اوندھا گرا ہوا تھا جس کی گردن پر گہرا گھاؤ تھا اور کٹے ہوئے نرخرے سے تنفس جاری تھا۔ اس کے قریب ہی میری چچی کی لاش پڑی تھی۔ میری ایک خالہ زاد بہن جو حمل کے آخری ایام میں تھی ابھی مرے نہیں تھے۔ بلوائی انہیں رات کے بعد مار ہی دیتے لیکن ایسا نہ ہوا۔ بریگیڈیئر عثمان جس نے بریگیڈ کا چارج سنبھالا تھا، ستواری میں تھا۔ اس نے نزدیک سے گولیاں چلنے کی آواز سنی تو تحقیقات کے لئے چند سپاہیوں کو لئے جیپ میں وہاں آ گیا اور اس قتل عام کو رکوایا۔ اس نے سانبہ کی طرف سے آنے والے سنگھیوں اور سکھوں کے جتھے کو آگے آنے سے روکا جو اسی قافلہ کے انتظار میں تھے لیکن جموں کے جتھے چاہتے تھے کہ حملہ شہر سے قریب ہوتا کہ وہ بھی مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگ لیں اور لوٹ مار میں حصہ لیں۔ بریگیڈیئر عثمان نے زخمیوں کو ہسپتال بھجوانے کا بھی انتظام کیا۔ مجھے اور چند دیگر زخمیوں کو سول ہسپتال جموں بھیج دیا گیا۔ چیت رام چوپڑا گورنر جموں کے واضح احکام تھے کہ کسی مسلمان کو ہسپتال میں داخل نہ کیا جائے لیکن ڈاکٹر پرتاب سنگھ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ نے بطور خاص مجھے اور میرے

اہل خانہ کو داخل کر لیا۔ باقی سب زخمی اور بقیۃ السیوف مسلمان ڈنگیانہ کیمپ میں بھیج دیئے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر پرتاب سنگھ کی جواب طلبی ہوئی تھی۔

ہسپتال کے اندر بھی جہاں ہمیں خصوصی کمرہ دیا گیا تھا، ہم محفوظ نہ تھے۔ مسلح ٹولیاں ہسپتال میں پھر رہی تھیں اور کمروں میں بھی جھانک لیتی تھیں۔ ڈاکٹر پرتاب سنگھ ہمارے کمرے کے باہر فوجی پہرہ لگوانے میں کامیاب ہو گیا۔ میٹرن اور میرے ہم پیشہ ہندو اور سکھ ڈاکٹروں نے کئی طرح سے ہماری امداد کی۔ شیخ عبداللہ بھی شریمتی وجے لکشمی پنڈٹ کے ہمراہ ہمیں دیکھنے اور مزاج پرسی کے لئے آیا۔

میں اور میرے اہل خانہ نومبر کے آخر تک ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ ہسپتال میں کچھ اور شدید زخمی بھی شیخ محمد عبداللہ کے خصوصی احکام پر داخل کیے گئے تھے۔ استاد کے محلے میں محصور مسلمان اب محاصرہ سے باہر نکل سکتے تھے۔ ان میں سے بعض ہماری مزاج پرسی کے لئے ہسپتال آیا کرتے تھے۔

شیخ عبداللہ کی جموں آمد سے پہلے مسلمانوں میں جو زخمی یا بیمار تھے، سرکاری طور پر کوئی بھی کسی کی تیمارداری پر مقرر نہیں تھا لہٰذا سردار محمد اکرم خان کی حویلی واقع تالاب کھٹیکاں میں ایک عارضی ہسپتال قائم کیا گیا جس کی نگرانی ڈاکٹر عبدالکریم اور ڈاکٹر رحمت اللہ کے سپرد تھی۔ ان کی اعانت کے لئے محمد اسماعیل اور فضل الرحمٰن بطور کمپاؤنڈر مقرر کیے گئے۔ زخمیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ زخم زیادہ تر سر، گردن اور بازوؤں پر ہوتے تھے۔ بعض خواتین کے پستان تلوار سے کاٹ دیئے گئے تھے۔ مرہم پٹی کا مخصوص سامان اور جراثیم کش ادویات کا فقدان تھا۔ کچھ عرصہ تک علی محمد اور فضل الرحمٰن کیمسٹوں کی دکانوں سے مرہم پٹی کا سامان
فراہم کیا جاتا رہا۔ پانی کو کھانا پکانے کے برتنوں میں ابالا جاتا تھا جس میں مرکیورکروم یا ایکری فلاوین جراثیم کشی کے لئے ملا دیئے جاتے تھے۔ عام نرم کپڑے کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر اس پانی میں ابال کر ہر قسم کے زخموں پر باندھ دیا جاتا تھا۔ پگڑیوں اور دوپٹوں کو کاٹ کر ان سے پٹیوں کا کام لیا جاتا تھا۔

''ایک مرحلہ پر ان پٹیوں کا سٹاک بھی ختم ہونے کے قریب آ گیا تو ڈاکٹر رحمت اللہ نے ایک بھنگی کے ذریعے ڈاکٹر پرتاب سنگھ کو ''سلام'' بھیجا۔ رحم دل ڈاکٹر پیغام سمجھ گیا اور خاصی مقدار میں پٹیاں اور طبی امداد کا سامان فراہم کر دیا جو بھنگی اپنے ٹوکرے میں چھپا کر لے آیا۔ اس قسم کے واقعات سے آدمی کا اعتماد انسانیت پر بحال ہو جاتا ہے۔''

جب 06 نومبر کے قافلے کا انجام معلوم ہوا تو مسلمانوں نے کیمپ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ وہ بے تابی سے شیخ محمد عبداللہ اور بخشی غلام محمد سے سرینگر میں رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کیونکہ تمام انتظامیہ اور ٹیلیگراف اور ٹیلی فون کے محکموں میں ہندو ہی ہندو تھے، ان بے چاروں کی مساعی کامیاب نہ ہو سکی۔

قبل ازیں 04 نومبر کو مسلمانوں کا ایک وفد حکومت ہند کے مقرر کردہ نمائندہ جسٹس کنور دلیپ سنگھ سے ملاقی ہوا اور اسے یقین دلایا کہ مہاراجہ کے وفادار ہیں اور وہ گھر اور کاروبار غیر یقینی مستقبل کے لئے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ جس کے جواب میں کہا گیا، ان کا پاکستان جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان کے تحفظ کے ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

اس پر وفد نے درخواست کی کہ شیخ محمد عبداللہ یا بخشی غلام محمد سے ٹیلیفون پر ان کا رابطہ کروایا جائے مگر اس پر ٹکا سا جواب دیا گیا کہ ان کی انتہائی مصروفیت کے باعث رابطہ ممکن نہیں۔ تاہم دلیپ سنگھ نے وعدہ کیا کہ ان کی درخواست کا خلاصہ دونوں میں سے کسی ایک تک پہنچا دے گا۔

ایک مدراسی اخبار نویس مسٹر جی کے ریڈی جو بمبئی میں مقیم ایک کانگرسی مما لک کے انگریزی ہفت روزہ ''کشمیر ٹائمز'' کا ایڈیٹر تھا، محض اس لئے کشمیر بدر کردیا گیا کہ وہ ریاست کے پاکستان سے الحاق کا حامی تھا۔ سرینگر سے پاکستان جاتے ہوئے مسٹر ریڈی کو دس روز تک دومیل پر روک کے رکھا گیا۔ پھر اسے واپس کٹھوعہ کے قریب بھارتی سرحد پر رہا کردیا گیا۔

بعد میں لاہور آکر اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے مسٹر ریڈی نے کہا ''نہتے مسلمانوں کے خون سے ڈوگروں نے جو ہولی کھیلی ہے، اس پر ہر شریف النفس انسان کا سر شرم سے جھک جانا چاہیے۔ میں نے بچشم خود ڈوگرہ فوجیوں اور غنڈوں کو پاکستان کی جانب جانے والے نہتے مسلمانوں پر گولیاں چلاتے اور ان کی لاشوں کے ٹکڑے کرتے دیکھا۔ جو کچھ میں نے موضع راجپورہ میں دیکھا، اس سے میرا دکھ درد اور بھی بڑھ گیا۔ جہاں ہندو ریاستی سول اور فوجی افسران کی ہدایات کے مطابق ایک مسلح جم غفیر نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے قافلے پر حملہ کرکے ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ میں نے راستہ میں ریاستی افسروں کو ڈوگروں میں کھلے طور پر اسلحہ اور گولا بارود تقسیم کرتے بھی دیکھا۔

''جموں میں جس ہوٹل میں مجھے نظر بند کیا گیا تھا۔ وہاں ایک رات میں نے خود کم از کم چوبیس دیہات میں آگ لگی ہوئی دیکھی اور اردگرد کے پناہ گزین کیمپوں سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں''۔

ڈوگرہ عہد میں مسلمانوں کی مجموعی صورتحال۔

1- ڈوگرہ عہد میں ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا فقدان تھا سرکاری ملازمت کو کلیتاً ہندوؤں کے لئے مخصوص کردیا گیا تھا۔

2- ڈوگرہ عہد میں مسلمانوں کا معاشی استحصال کیا گیا بے پناہ ٹیکس عائد کیے گئے۔ کچھ ٹیکس صرف مسلمانوں پر نافذ تھے جن میں ترقی ٹیکس جو مال مویشی پر تھا اس کے علاوہ نکاح ٹیکس جب کہ غیر مسلموں کی شادی پر کوئی ٹیکس نہیں تھا وغیرہ۔

3- ساہوکارہ نظام کے تحت ہندوؤں نے زراعت و تجارت کو اپنے پنجے میں پوری طرح جکڑ لیا تھا سود در سود کے چکر، عدالتی ڈگریوں اور

نیلامی جائیداد کے خلاف کوئی جائے پناہ میسر نہ تھی۔

4- ایک اور اذیت ناک رواج بیگار کی صورت میں مسلط تھا جسے قانونی تحفظ حاصل تھا جب کسی ایک شخص کو اس نوعیت کی بیگار میں پکڑا جاتا تو اس کی زندگی خطرے میں ہوتی تھی۔اس کے علاوہ جو ضعیف اور بیمار بیگار نہ کر سکیں ان پر قلی ور ٹیکس یا بیگار ٹیکس نافذ تھا۔

5- مذہبی آزادی کا فقدان تھا گاؤ کشی کی سزا موت تھی اکثر اس جرم کی پاداش میں مجرم کو جلتے ہوئے تیل کی کڑاہی میں ڈال دیا جاتا اور پھر لاش سرراہ لٹکا دی جاتی۔اسلام قبول کرنے کی سزا جائیداد کی ضبطی تھی۔

6- شہری حقوق کا کوئی تصور نہ تھا تحریر وتقریر پر پابندی تھی۔

7۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

کشمیر میں اس ظلم کے بارے میں (Aldous Huxley) نے اپنے سفرنامے میں لکھا۔

''کشمیر میں گاڑی کھینچنے کے لئے بیلوں اور گھوڑوں کی ایک جوڑی سے آدھ درجن انسان سستے پڑتے ہیں۔اس نوعیت کی باربرداری دیکھ کر میری گردن جھک گئی''

کشمیری مسلمانوں نے جس پامردی سے ڈوگرہ شخصی راج کا مقابلہ کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے بسکو (Biscoe) نے لکھا۔

''اگر برطانوی قوم کو اس ظلم کا سامنا ہوتا جسے کشمیریوں نے برداشت کیا تو ممکن ہے کہ ہم اپنی مردانگی کھو بیٹھتے''

بیعنامہ امرتسر

گلاب سنگھ نے رنجیت سنگھ کے عہد سے ترقی کرنی شروع کی تھی- جب سکھوں کی موت وحیات کا فیصلہ ہو رہا تھا تو اس نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا بالکل الگ تھلگ رہا اور آخری وقت تک نہ سکھوں کی مدد کی نہ انگریزوں کا ساتھ دیا-لیکن جب صلح کی بات چیت کا موقع آیا تو ایسا ہیر پھیر کیا کہ دونوں کی آنکھوں میں دھول ڈال دی-انگریز روپیہ کا مطالبہ کر رہے تھے- کچھ رقم سکھوں نے دی باقی 75 لاکھ میں کشمیر کا علاقہ سکھوں کو دے دیا گیا- یہ خرید وفروخت یہیں بیٹھے بیٹھے ہوگئی اور کشمیر کے کسی آدمی کو کانوں کان اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا-"مشتری چہ کس است ذبہائے من چند است"

اس موقعہ پر جو معاہدہ حکومت برطانیہ نے اور مہاراجہ گلاب سنگھ والی جموں کے مابین 16 مارچ 1846ء کو بمقام امرتسر میں مرتب کیا گیا اس کی دفعات حسب ذیل تھیں-

دفعہ نمبرا:

سرکار انگلشیہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے وارثان کو تمام ملک کوہستان اور اس کے تابع علاقہ کے جو دریائے سندھ کے مشرق کی

طرف اور مغرب کی جانب دریائے راوی کے درمیان معہ علاقہ چمبہ ماسوائے لاہول جوکہ ان ممالک کا حصہ نہیں جو برٹس گورنمنٹ کو مطابق دفعہ 4 عہدنامہ لاہور مورخہ 09 مارچ 1846ء ملا ہے- یہ اختیار خودمختار مستقل طور پر عطا کرتے ہیں-

دفعہ نمبر 2-

جو علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس عہدنامہ کی مندرجہ شرائط کے تحت منتقل کیا جاتا ہے- اس کی حدود مشرقی مقرر کرنے کیلئے برٹش گورنمنٹ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی طرف سے کمشنر مقرر کیئے جائیں گے اور یہ حدود سروے کے بعد علیحدہ اقرارنامہ کے ذریعے تعین کی جائیں گی-

دفعہ نمبر 3-

اس ملک کے انتقال بحق مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے وارثان کے عوض مہاراجہ موصوف 75 لاکھ روپے (نانک شاہی) سرکار انگلشیہ کو ادا کریں گے- ان میں سے پچاس لاکھ روپے اس عہدنامہ کے استحکام کے وقت اور پچیس لاکھ روپے اس سال کے ماہ اکتوبر کی پہلی تاریخ سے قبل ادا کیا جائے گا-

دفعہ نمبر 4-

حدود ملک میں مہاراجہ گلاب سنگھ کسی وقت بھی سرکار انگلشیہ کی منظوری کے بغیر تغیر و تبدیل نہ کرسکیں گے-

دفعہ نمبر 5-

اگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور لاہور گورنمنٹ یا کسی ہمسایہ ریاست کے مابین تنازعہ ہو جائے تو مہاراجہ موصوف اس تنازعہ کو برٹش گورنمنٹ کے حوالہ کریں گے اور اس کے ثالثی فیصلہ پر پابند رہیں گے-

دفعہ نمبر 06-

مہاراجہ گلاب سنگھ خود اور اپنے وارثان کی طرف سے اقرار کرتے ہیں کہ جب انگریزی فوج کی ان کے ملک میں ضرورت پڑی تو اپنی پوری فوج کے ساتھ تعاون کریں گے-

دفعہ نمبر 07

مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ وہ کبھی کسی انگریز یا کسی یورپین یا امریکن کو برٹش گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر اپنی ملازمت میں نہ رکھیں گے-

دفعہ نمبر 08

مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ وہ ان ممالک کے متعلق جوان کو منتقل کر دیئے گئے ہیں- عہد نامہ لاہور مورخہ 11/مارچ 1948ء مابین سرکار انگلشیہ اور لاہور گورنمنٹ کی دفعات 7,6,5 کا احترام کریں گے-

دفعہ نمبر 09

سرکار انگلشیہ عہد کرتی ہے کہ بیرونی دشمنوں سے حکومت مہاراجہ صاحب بہادر پر حملہ کے وقت مہاراجہ کی امداد کریں گے-

دفعہ نمبر 10

مہاراجہ گلاب سنگھ سرکار انگلشیہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس حاکمیت کے پیش نظر سرکار انگلشیہ کو ہر سال ایک گھوڑا، بارہ شاخ بکری اور تین جوڑے کشمیری شال بطور نذرانہ دیں گے- یہ عہد نامہ مشتمل بر دس صفحات منجانب سرکار انگلشیہ فریڈرک کری صاحب بہادر، منیجر ہنری، منٹگمری لارنس نے بحکم رائٹ آنریبل سر ہنر ہارڈنگ صاحب جی سی پی گورنر جنرل اور مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر نے اصالتاً موثق کیا اور رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل کی مہر سے اس کا استحکام عمل میں آیا-

بمقام امرتسر مورخہ 16/مارچ 1846ء بمطابق 16 ربیع الاول 1262ء

دستخط فریڈرک کری (مہر) ہنری ہارڈنگ گورنر جنرل آف انڈیا۔

13/مارچ 1884ء کو یہ اتفاق رائے قرار پایا کہ 12 بکریوں کی بجائے مہاراجہ دس پونڈ ریشم، چار پونڈ سیاہ اون رنگ خاکستری، چار پونڈ سفید اون مہیا کریں یہ ترمیم مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں ہوئی- 1862ء میں ایک سند کے ذریعے جو مہاراجہ رنبیر سنگھ کو لارڈ کینگ کی طرف سے دی گئی، حکومت ہند نے اقرار کیا کہ قدرتی وارثوں کی عدم موجودگی میں مہاراجہ صاحب اور ان کے جانشین اپنے خاندان کیلئے پسر متبنّی اپنے خاندان کی روایات کے مطابق بنا سکتے ہیں جس کو گورنمنٹ آف انڈیا خوشی کے ساتھ منظور کرے گی-

معاہدہ قائمہ

ریاست کشمیر کے وزیر اعظم کا ٹیلیگرام بنام محکمہ ریاستی تعلقات حکومت پاکستان مورخہ 12/اگست 1947ء

" حکومت جموں وکشمیر ان تمام امور کے بارے میں پاکستان سے معاہدات قائمہ کرنے کا خیر مقدم کرے گی جو اس وقت رخصت ہونے والی برٹش انڈیا گورنمنٹ سے موجود ہیں- ہماری تجویز یہ ہے کہ موجودہ انتظامات اس وقت تک برقرار رکھے جائیں جب تک تفصیلات طے نہ ہو جائیں اور نئے معاہدات کی رسمی تعمیل شروع نہ ہو"-

سیکرٹری وزارت خارجہ حکومت پاکستان کا تار بنام وزیر اعظم کشمیر مورخہ 15/اگست 1947ع "بحوالہ آپ کا تار مورخہ 12/اگست حکومت پاکستان جموں وکشمیر سے معاہدہ قائمہ کرنے پر اپنے اتفاق کا اظہار کرتی ہے تاکہ موجودہ انتظامات کو اس وقت تک برقرار رکھا جاسکے

جب تک تفصیلات طے نہ ہو جائیں اور نئے معاہدات کی رسمی تعمیل شروع نہ ہو"۔

حوالہ جات

1. Sufi,Dr.G.M.D , *Kasheer* (Lahore:1948) p-108.

2- راجہ سجاد لطیف، *کشمیریات* (مظفرآباد: زیڈ۔اے پرنٹرز 2015)151-152۔

3- الحاج مولوی حشمت اللہ خان لکھوی، *تاریخ جموں* (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس 1991)62-63.

4- الحاج مولوی حشمت اللہ خان لکھوی، *تاریخ جموں* (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس 1991)64.

5- الحاج مولوی حشمت اللہ خان لکھوی، *تاریخ جموں* (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس 1991)63.

6- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر: زمانہ قدیم سے 1947ء تک* (راولپنڈی: تعمیر پرنٹنگ پریس 1970)57-552۔

7. Vigine,G.T, *Traveles in Kashmir ,Ladkah Iskardo, Vol I*(London: 1842)p-241.

8 الحاج مولوی حشمت اللہ خان لکھوی، *تاریخ جموں* (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس 1991)68.

9- پروفیسر محمد سرور عباسی، *کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی 1892-1947* (مظفرآباد انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز، 1992)13-35۔

10 الحاج مولوی حشمت اللہ خان لکھوی، *تاریخ جموں* (لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس 1991)86-88.

11- Mirza, Khan Zaman Prof, *Kashmir Dispute at a Glance Origin, Perspective and Prospectives* (Muzaffarabad: IKS UNI of AJ&K)5.

12- Muhammad Ali, *The Emergence of Pakistan* (London ,New york: Colmbia University Press 1967)293.

13- A.H. Suharwardy, *Tragedy in Kashmir* (Lahore: WAJIDALIS 1983) 73.

14-Josef Korbel, *Danger in Kashmir* (Princeton , Princeton University Press, 1954),62-69

15- Lord Birdwood, *India and Pakistan*: *A continent Decides* (New

York,1954)94-95.

16. Josef Korbel, *Danger in Kashmir* (Princeton , Princeton University Press, 1954)66-67.

17. Saraf, Yusaf Muhammad Vol.2, *Kashmiris Fight for Freedom*(Mirpur: NIKS 2015)78-81.

18. The Time London, 8 September 1947,4.

19. Alastair Lamb, *Birth of Tragedy Kashmir* 1947(Karachi:Oxford University Press 2001)76.

20- (آتش چنار شیخ عبداللہ (راولپنڈی رائل پبلشنگ کمپنی 2012) صفحہ 187-88

21. C.Das Gupta,*War and Diplomacy in Kashmir 1947-48*,36

22.Durga Das,*Sardar Patel's corespondence 1945-50* Vol-I(Ahmed Abad:Navea jivan Publishing house ,1971)45,46.

23. *Sardar Patels's Corespendance ...22-23.*

24. C DASGUPTA, *War and Diplomacy in Kahsmir 1947-48* p#42)

25. Alaister Lamb, *Incomplete Partition: The Gensis of the Kashmir Dispute 1947-48*(New York:Oxford UP,1997)100-111.

26. Alaister Lamb,Incomplete Partition:*The Gensis of the Kashmir Dispute 1947-48*(New York:Oxford UP,1997)108-109.

27۔ شیخ عبداللہ، آتش چنار (راولپنڈی رائل پبلشنگ کمپنی 2012)۔ 267

28.Durga Das,*Sardar Patel's corespondence 1945-50 Vol-I*(Ahmed Abad:Navea jivan Publishing house ,1971).

29. Alen VinTun Zelmann,*Indian summer:The Secret History of the End of an*

Empire(UK: Simon & Schuster Ltd.,2007).285-288

30. Singh Karan, *Heir Apparent: An autobiography* (Dehli: Oxford University, Delhi,1982)55.

31. Menon, G.P, *The Story of integration of the Indian States* (New York: Macmillan,1956)113-17.

32. *Sir George Cunnigham's dairy 1947-48,23.*

33. Brian Cloughley,*History of the Pakistan Army "Wars and Insurrections"*)8.

34. A.H. Suharwardy, *Tragedy in Kashmir* (Lahore:Wijidalis,1983)72.

35. Nicholas Mansergh ed; The Tranfer of Power 1942-47 (London: Her Majesty's Stationary Office Vol. XI 1982)442-48

36. C.H.Philps and Mary Doreen Wainright, ed: *Partition of India, Polices and Perspectives 1935-1947*(London: 1970)531.

37۔شیخ عبداللہ،آتش چنار(راولپنڈی رائل پبلشنگ کمپنی2012)۔275

38. Pammela Mountbatten, *India Remembered* (New Dehli: Roli Books Pvt Ltd)110-48.

39.Muhammad Yusaf Saraf, *Kashmir Fights for freedom Vol* (Lahore Feroz sons LTD 1977)507.

40۔چوہدری غلام عباس،کشمکش(لاہور:اردو اکیڈمی1950)143۔

41۔روزنامہ انقلاب لاہور 11 مارچ1939ء

42۔امان اللہ،جہد مسلسل(روالپنڈی:ایس ایس ایس کمبانڈ،1992)322۔

43۔امان اللہ،جہد مسلسل(روالپنڈی:ایس ایس ایس کمبانڈ،1992)324۔

44.Lord Birdwood, *Two Nation and Kashmir* (London:Robert Hail,1956)51.

45.Alex Von Tunzelmann,*Indian Summer: The Secret History of the End of an Empire* (London:Pocket Books,2007)285-88.

46:فضل احمد صدیقی،خونبانہ کشمیر(کراچی:ادارہ ادب 1951)66-65۔

47۔روزنامہ نوائے وقت لاہور، 11 جون 1948۔